منطق 12

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

منظور کردہ: وفاقی وزارت تعلیم کریکولم ونگ حکومت پاکستان، اسلام آباد
بحوالہ مراسلہ نمبر F-13-12/2006-SS مورخہ 18 اپریل 2007ء
جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور محفوظ ہیں۔
اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مصنف: ڈاکٹر جاوید اقبال ندیم
ایسوسی ایٹ پروفیسر فلسفہ (ر)
یونیورسٹی کالج آف ایجوکیشن، لوئر مال، لاہور۔

زیرِ نگرانی: فریدہ صادق
سینئر ماہر مضمون نفسیات

ڈائریکٹر (مسودات) : مسز نثار قمر

ڈپٹی ڈائریکٹر گرافکس / آرٹسٹ : عائشہ وحید

ناشر: ذکاء پبلشرز، لاہور
مطبع: قدرت اللہ پرنٹرز، لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد	قیمت
جولائی 2019	اول	ششم	2,000	73.00 71.00

فہرست (Contents)

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
1	(Introduction) تعارف	1
22	(Language) زبان	2
34	(Informal Fallacies) غیررسمی مغالطے	3
49	(Categorical Propositions) مقولی قضیے	4
70	مقولی قیاس اور سادہ دلائل (Categorical Syllogism and Simple Arguments)	5.
97	(Inductive Logic) منطق استقرائیہ	6
106	توجیہہ کا سائنسی طریقہ کار (Scientific Method of Explanation)	7
119	(Terminology) اصطلاحات	
122	(Bibliography) کتابیات	

حرف آغاز

فلسفہ انسانی زندگی میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ ذہنی نشوونما کے لئے فکری تعلیم و تربیت نہایت ضروری ہے۔ منطق ہی ایک ایسا علم ہے جو انسان کے لئے "ذہنی ورزش" کا اہتمام کرتا ہے۔ کیونکہ منطق میں قیاس، فکر، مغالطے، قضیے اور زبان کی تشکیل و استعمال کے اہم طریقے بتائے جاتے ہیں۔ منطق فکر کے قوانین کا مطالعہ اس انداز میں کرتا ہے کہ انسان غیر متعلقہ اور غیر ضروری مواد سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ بلاوجہ طوالت اور نامناسب اختصار سے بھی اجتناب برتا جاتا ہے۔

یوں تو ہم ہر روز منطقی گفتگو کرتے ہیں۔ لیکن اس علم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کر لیں تو فکری ارتقا کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ یونانی فلسفی ارسطو نے منطق استخراجیہ کے خصوصی طور پر اور منطق استقرائیہ کے عمومی لحاظ سے اصول و ضوابط وضع کئے۔ جنہیں مسلمان فلسفیوں نے متعارف کرایا اور منطق میں مزید اختراعات کیں۔ خصوصاً الفارابی اور ابن سینا نے یونانی منطق میں خامیاں تلاش کر کے ان کی تصحیح کی۔ بیسویں صدی تک ارسطوطالی منطق کو حرف آخر سمجھا جاتا رہا۔ لیکن جدید فلسفیوں نے جب منطق جدید کی بنیاد ڈالی تو دنیا فلسفہ میں فکری تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ جدید سائنس میں نئی تحقیق اور دریافتیں ہونے لگیں۔ انسان زمین کو چھوڑ کر خلاؤں میں اڑنے لگا۔ پوری دنیا کا آپس میں رابطہ بھی اس سائنسی ترقی سے ہوا۔ گلوبل ولیج کی اصطلاح کی عملی صورت نظر آنے لگی۔ کمپیوٹر کی جدید ترین ایجاد سے اب طلبا پوری دنیا میں استفادہ کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ یہ سارے کرشمے صرف اور صرف منطق ہی سے رونما ہو رہے ہیں۔ جو نقاط کو حروف اور پھر فقروں میں تبدیل کرنے کا فن سکھاتا ہے۔ جس سے گونگوں کو زبان ملتی ہے۔ اور عقلی استدلال کے ذریعے پنہاں ادراک عیاں ہونے لگتے ہیں۔

طلباء و طالبات اور ہر قاری سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کو خالصتاً علمی اور فکری انداز میں پڑھیں تو یقیناً مستقبل میں زندگی کے کسی نہ کسی شعبہ میں علم منطق راہنما اور قائدانہ صلاحیتیں اُجاگر کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب 1

تعارف

(Introduction)

منطق کی تعریف اور دائرہ کار (Definition and Scope of Logic)

انسانی زندگی کئی ایک اتار چڑھاؤ کا مجموعہ ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ ترقی یا تنزلی کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ جس طرح کی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح کے خود بخود نتائج نکل آتے ہیں۔ اگر نتائج حقائق کے مطابق ہوں تو اس عمل اور طریقہ کار کو منطقی طریقہ کار کہتے ہیں اس عمل کا مطالعہ کرنے والے علم کو منطق کہتے ہیں۔ جس میں حاصل کردہ مفروضوں، جملوں اور مقدمات سے نتیجتاً جو بھی نتائج ملتے ہیں وہ منطقی ہوتے ہیں۔ ہم اپنی روز مرہ زندگی میں تقریر اور تحریر میں بالواسطہ یا بلا واسطہ منطق کے اصولوں کو استعمال میں لاتے ہیں۔ کسی کو قائل کرنا ہو، عدالت میں دلائل دینے ہوں، مجلس میں بحث و مباحثہ کرنا ہو، کوئی شے خریدنی ہو یا فروخت کرنی ہو غرضیکہ ہر معاملہ میں کوئی نہ کوئی اصول و ضوابط استعمال کئے جاتے ہیں جو کہ منطق کے اصول ہوتے ہیں۔ اساتذہ، واعظ، مقرر، مباحث اور قائد وغیرہ ہمیشہ منطق سے استفادہ کرتے ہیں۔ عدالت میں وکیل استغاثہ اور وکیل صفائی جرم کو صحیح یا غلط ثابت کرنے کے لئے منطقی دلائل دیتے ہیں۔ ان منطقی دلائل کو سامنے رکھ کر جج جو بھی فیصلہ کرتا ہے دراصل وہ فیصلہ بھی منطقی نتیجہ ہی ہوتا ہے یوں ہماری زندگی سے منطق کا بہت گہرا تعلق ہے۔

زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں منطق کے بغیر انتظام و انصرام چل رہا ہو۔ کوئی کام منصوبہ بندی کے بغیر ممکن نہیں۔ منصوبہ بندی ہمیشہ سوچ و بچار یعنی فکر سے ہوتی ہے۔ فکر ہمیں علم منطق سے حاصل ہوتا ہے۔ صرف فکر ہی نہیں بلکہ صحیح فکر کا مطالعہ علم منطق کرتا ہے۔ اس سے فکری ارتقاء ہوتا ہے اور جدید نظریات قائم کئے جاتے ہیں۔ انسانی ذہن ہر وقت کسی نہ کسی عمل میں مصروف رہتا ہے۔ کبھی جاننے اور کبھی آگے بتانے کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ معلومات اور علم حاصل کرنا جاننے میں مدد دیتا ہے اور انہی کو دوسروں تک پہنچانے، بتانے یا سکھانے کا عمل کہتے ہیں۔ جب انسان کسی نئی صورت حال سے دوچار ہوتا ہے تو اس وقت ذہن فکری عمل میں مصروف کار ہو جاتا ہے۔ یہی فکری عمل انسان کو کسی نہ کسی نتیجہ تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔

ہدایتی یا معیاری علوم (Normative Sciences) تین ہیں۔ جن میں کوئی نہ کوئی معیار یا پیمانہ طے کیا جاتا ہے۔ یہ معیاری علوم درج ذیل ہیں۔

1۔ اخلاقیات (Ethics)
2۔ جمالیات (Aesthetics)
3۔ منطق (Logic)

1- اخلاقیات (Ethics)

اخلاقیات ایک عمرانی علم ہے۔ یہ ان انسانی افعال سے متعلق ہے جو معاشرے میں سرزد ہوں اور جن سے دیگر افراد متاثر ہوں۔ اخلاقیات ایک ایسا معیاری علم ہے جو انسانی کردار کو خیر وشر کے نظریے سے پرکھتا ہے۔ خیر کا تصور قدر سے وابستہ ہے جسے حاصل کرنے کے لئے کوشش کی جاتی ہے۔ صحیح، مناسب، ضروری اور صائب افعال ہمیشہ خیر کے حصول کا باعث بنتے ہیں۔

اخلاقیات میں کسی شخص کے کردار کے اچھے اور برے دونوں پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ نیکی و بدی سے متعلق معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں ان معلومات کو ایک سلسلے میں منسلک کیا جاتا ہے۔ ان کی بنیاد پر اصول وضع کرکے معیار اخلاق کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ پروفیسر جان۔ ایس۔ میکنزی (John.S.Mackenzie) نے اس سلسلے میں کہا کہ "کردار کی قدر و قیمت کا تعین جبھی ممکن ہے کہ سیرت کو پیش نظر رکھا جائے۔"

انسانی کردار کے دو پہلو ہیں ایک خارجی پہلو اور دوسرا داخلی پہلو۔ انسانی کردار کا مطالعہ کرنے کے لئے داخلی پہلو کی اہمیت خارجی پہلو سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ سیرت کا تعلق داخلی پہلو سے ہے۔ جب سیرت اپنا اظہار جسمانی افعال میں کرتی ہے تو اسے کردار کہتے ہیں۔ کسی شخص کے نیک و بد ہونے کا پتہ اس کی نیت اور سیرت سے چلتا ہے۔ انسان کی اندرونی کیفیات کی بنیاد پر تمام تر بیرونی اعمال سرزد ہوتے ہیں۔

کردار کا داخلی پہلو محرکات (Motives) اور نیات (Intentions) پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ خارجی پہلو جسمانی افعال و اعمال پر مبنی ہوتا ہے۔ اخلاقیات بنیادی طور پر انسانی کردار کے اختیار اور مقصدی پہلو کو جانچتا ہے۔ اس میں جبر کے بجائے اختیار پر زور دیا جاتا ہے۔ اخلاقیات چونکہ منوالی علم ہے اس لئے اس کا سروکار صرف مقصدی افعال سے ہے جو شعوری حالت میں سرزد ہوتے ہیں۔ علم الاخلاق کو منوالی یا مقصدی سائنس بھی کہا جاتا ہے کیونکہ صاحب اختیار اور صاحب ارادہ انسانوں کے افعال کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

2- جمالیات (Aesthetics)

جمالیات بھی ایک معیاری علم ہے۔ اس میں حسن و جمال، قبح اور مضحکہ خیز کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جمالیات میں احساس کا تناسب بیان کیا جاتا ہے۔ حواس خمسہ سے حاصل کردہ ادراک میں احساس کا پہلو نمایاں ہو تو اس احساس کے معیار کو ماپنے کے لئے جمالیات فیصلہ کرتا ہے۔ خوشبو یا بدبو کا احساس، آواز کے خوشگوار اور برا لگنے کا احساس، مناظر کے اچھے یا برے ہونے، ذائقہ کا اچھا، میٹھا اور کڑوا ہونے۔ اسی طرح لمس میں نرم، ملائم یا کھردرا ہونے کے بارے میں جو احساس ہوتا ہے وہ جمالیات ہی سے ماپا جاسکتا ہے۔

بعض اوقات احساس پیدا کرنے، بڑھانے اور بگاڑنے میں مختلف عوامل مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ کوئی منظر، علاقہ یا شے اچھی لگتی ہے لیکن کسی پریشانی کی وجہ سے وہ اشیاء بری لگتی ہیں۔ گویا جمالیات میں انسان کے احساس کے اچھے اور برے دونوں

پہلوؤں کو جانچا جاتا ہے۔

3۔ منطق (Logic)

منطق بھی بنیادی طور پر ایک معیاری علم ہے جس میں فکر کے مختلف النوع معیار کو پرکھا جاتا ہے۔ منطق وہ معیاری علم ہے جس میں فکر کی صحت کی صحیح جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔

"Logic is a science that studies the laws of valid thought."

منطق میں فکر کا معیاری نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ منطق وہ معیاری علم ہے جو فکر کے ایسے قوانین وضع کرتا ہے جن کے بغیر صحیح فکر ممکن نہیں۔ اسی طرح صحتِ فکر (Validity of Thought) سے مراد یہ ہے کہ فکر میں اپنی ہی تردید نہ پائی جائے یعنی فکر صحیح ہو اور حقائق کے مطابق ہو۔

دراصل منطق کا تعلق فنِ استدلال (Art of Reasoning) سے ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دلائل سے کسی دیئے ہوئے ثبوت سے مزید ثبوت یعنی نتائج اخذ کرتا ہے۔ منطق کی مدد سے افکار پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ افکار کے تاثر کو الفاظ میں بیان کرکے ان کا صحیح تعین کیا جاتا ہے۔ منطق افکار کا علم ہے جسے الفاظ یعنی زبان کے وسیلے سے اظہار بیان میں لایا جاتا ہے۔

ہم بعض اوقات ضرورت کے تحت کسی مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے ترتیب وار استدلال کا طریق استعمال کرتے ہیں۔ جس میں ہم معلوم سے نامعلوم اور ثابت سے غیر ثابت کی طرف بڑھتے ہیں۔ فلسفی ہمیشہ سے ہی کچھ نہ کچھ ثابت کرنے کا جو طریق استعمال کرتے رہے ہیں اسے منطقی طریقہ کار کہا جاسکتا ہے۔ مرتب شدہ صحیح تفکر جس میں ربط اور تسلسل پایا جائے منطق ہی ہے۔ قدیم وجدید فلسفی ہمیشہ کوئی بھی نیا تصور کسی نہ کسی منطقی دلیل پر دیتے رہے ہیں۔ یونانی فلسفی ارسطو (Aristotle) نے منطق کے بنیادی اصول وضوابط کی ابتدا کی جبکہ اس سے قبل بھی علم منطق موجود تھا۔ مختلف فلسفیوں نے منطق کو الگ الگ معنی دیئے ہیں۔ ارسطو (Aristotle) نے اپنی تصنیف "آرگنون" (Arganon) میں تحلیل کی نوعیت پر بحث کی ہے۔ اس کے خیال میں صداقت کی جستجو کے لئے فکری نظام کی شرائط کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ عہدِ وسطیٰ (Middle age) کے مسلمان فلسفیوں نے ارسطو کی منطق کو اہم مقام دیا اور صحیح طور پر متعارف کرایا۔ نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے بعد طبیعی سائنس (Natural Science) کی ترویج وترقی ہوئی تو بیکن (Bacon) نے منطقی طریقہ کار میں استقراء کی باقاعدہ بنیاد رکھی۔ ہابس (Hobbs)، جان لاک (John Locke)، برکلے (Berkely)، ڈیوڈ ہیوم (David Hume) اور جے۔ ایس۔ مل (J.S.Mill) کی علمیاتی تجربیت (Epistemological Empiricism) نے استقراء میں مزید نکھار پیدا کیا۔ لائبنیز (Liebnitze) نے منطق کو مابعد الطبیعیات (Metaphysics) کی کلید قرار دیا۔ اس نے منطقی طریقہ کو زیادہ تر ریاضیاتی بنانے کی کوشش کی۔ کانٹ (Kant) نے اپنی تصنیف "Critique of Pure Reason" میں تفصیلاً اس نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے کہ ریاضی اور طبیعی سائنس میں منطق اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جدید فلسفی ہیگل (Hegel) کے فلسفہ میں منطق کا بے حد عمل دخل ہے۔

برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) اور وائٹ ہیڈ (White Head) کی کتاب "اصول ریاضیات"

(Principia Mathematica) چھپنے کے بعد ریاضیاتی منطق (Mathematical Logic) کا زور شور رہا۔ برٹرینڈ رسل کے خیال میں منطق دراصل ریاضیاتی منطق ہی ہے۔ اس کے نزدیک تمام مسائل بنیادی طور پر منطقی ہی ہیں۔ ریاضیاتی اصول اصل میں استدلال کی بہترین مثال ہیں۔

جس طرح دنیا میں موجود ہر شے کے بارے میں ذہن میں ابھرنے والے سوال سے متعلق علم موجود ہے اسی طرح ذہنی فکر کا مطالعہ کرنے والا علم بھی موجود ہے جسے علم منطق کہتے ہیں گویا علم منطق ذہنی فکر کا مطالعہ کرتا ہے جس میں ہم عقلی دلائل سے نتائج اخذ کرتے ہیں۔

منطق عقلی استدلال کا علم ہے۔ چونکہ ہماری روز مرہ کی زیادہ سرگرمیاں غیر شعوری طور پر سرزد ہوتی ہیں۔ مختلف مواقع ایسے بھی آتے ہیں جن کی ہم شہادت تلاش کرتے ہیں۔ ماحول میں غیر متوقع تبدیلیاں ہمارے رویوں اور یقین کو چیلنج کرتی ہیں۔ بعض اوقات ہماری تجسس اور دوسروں کے جاننے کی صلاحیت، ہمارے نظام یقین میں تشویش پیدا کردیتی ہے۔ اس وقت ہم جواب حل اور فیصلہ کرنے کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوتے ہیں۔ ہم سچ کو ثابت کرنے کے لیے متعلقہ مواد اکٹھا کرکے دلائل کا نظام قائم کرتے ہیں۔ منطق کا علم ہمیں معلوم سے نامعلوم، صدق سے غیر صدق کی طرف جانے کا طریق بتاتا ہے ورنہ اس طرح ہمارے لیے ممکن نہ ہوتا کہ ہم نتیجتاً کچھ بھی ثابت کرسکیں۔ مزید یہ کہ منطق جزوی شہادت متعین کرنے میں مدد دیتا ہے اور ایسے نتائج اخذ کرتا ہے کہ جو زیادہ یا کم قرین قیاس (Probable) ہوں۔

علم منطق ہمیں سچ کی تلاش میں مدد دیتا ہے اب سچ کا تصور وقت سے وقت، فرد سے فرد اور قوم سے قوم پر منحصر ہوتا ہے۔ منطق سچ کی بنیادیں تشکیل دیتا ہے تو منطق علوم کا علم کہلاتا ہے۔ اس کا تعلق صورت (Form) سے ہے نہ کہ عقل کے مواد سے جیسے کہ ہم ریاضی کا اصول جانتے ہیں کہ دو جمع دو برابر چار (2+2=4) ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم اپنے فکر کی صحت کو ثابت کرانے کے اصولوں تک پہنچ جاتے ہیں جس طرح ہم ریاضی کے مذکورہ اصول کو منطبق کرسکتے ہیں مثلاً دو کرسیاں جمع دو کرسیاں برابر ہیں چار کرسیاں، دو مرغیاں جمع دو مرغیاں برابر ہیں چار مرغیوں کے علیٰ ھذا القیاس، اس طریقہ کار کے مطابق منطق اصول علوم کی تمام شاخوں پر منطبق کیے جاسکتے ہیں۔

منطق کو فنون کا فن (Art of Arts) کہتے ہیں۔ منطق علم کے ایسے بنیادی اصولوں سے بھی متعلق ہے جو علم کی تمام شان و شوکت کو منظم کرتے ہیں لہٰذا اس کی اہمیت کو گھٹایا نہیں جاسکتا۔

منطق صحیح استدلال کا مطالعہ کرتا ہے۔ یہ خصوصی استدلال اور ان کی صحت کی عمومی حالتوں سے یکساں اور مناسب برتاؤ کرتا ہے۔ اس کا اصل کام صحیح کو غلط فکر سے الگ کرنا ہے۔ یہ ایک تکنیکی علم و ضبط ہے اور اسے سنجیدہ فکری کاوش کے بغیر سیکھا نہیں جاسکتا۔

منطق کے لیے انگریزی میں لفظ "Logic" استعمال ہوتا ہے جو یونانی لفظ "Logos" (نطق) سے مشتق ہے جس کے لفظی معنی ہیں "فکر" یا "لفظ" پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ منطق فکر کا ایسے مطالعہ کرتا ہے جیسے ہم اسے الفاظ میں بیان کرتے

ہیں لیکن منطق اس طرح صرف الفاظ کا مطالعہ نہیں ہے۔

یہ صرف فکر کے اظہار کے لیے الفاظ سے متعلق ہے۔ ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے کہ منطق فکر کے عمل سے متعلق نہیں ہے۔ یہ میدان دیگر علوم کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے جیسا کہ نفسیات اور عمرانیات وغیرہ۔ منطق صرف فکر کے حاصلات سے متعلق ہوتا ہے۔ مثلاً تصور(Idea)، تعقل(Concept)، حکم(Judgement) اور استخراج (Inference)۔ صرف سوچ ہی منطق مطالعہ کا مقصد نہیں ہے۔ منطق صرف فکری عمل کی صحت(Validity) اور غیر صحت (Invalidity) سے متعلق ہوتا ہے۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ منطق صحیح استدلال کے عمومی حالات کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جہاں صحیح استدلال (Valid Reasoning) ہے وہاں غیر صحیح (Invalid Reasoning) استدلال بھی ہے۔ منطق کا سب سے اہم کام صحیح اور غیر صحیح استدلال میں فرق کرنا ہے۔

اے۔ آر۔ لیسی(A.R Lacey) کی مرتب کردہ ڈکشنری آف فلاسفی (Dictionary of Philosophy) میں منطق کی تعریف یوں درج ہے۔ ''منطق کا مرکزی موضوع صحیح استدلال ہے اس کی تنظیم اور اس سے متعلق نظریات کا مطالعہ ہے۔ اس کے دو حصے ہوتے ہیں رسمی منطق اور فلسفیانہ منطق رسمی منطق کا آغاز ارسطو (Aristotle) سے ہوتا ہے جس نے استخراج بہ اختلاف قضایا اور قیاس کی تنظیم کی۔ جو ایک صدی قبل تک روایتی یا کلاسیکل منطق کی بنیاد رہی ہے۔ منطق فلسفی الفاظ کے معنی زبان کے حقائق، فلسفۂ زبان، تعریف اور سچائی وصحت کا احاطہ کیا جاتا ہے۔''

منطق کی اہمیت (Importance of Logic)

علم منطق کا زندگی کے ہر شعبہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک عام آدمی سے لے کر بڑے سے بڑے عہدے پر فائز شخص منطق کے اصولوں سے استفادہ کرتا ہے۔ بچوں کو ہنسانا ہو، پہیلیاں بنانی ہوں، طنز ومزاح پیدا کرنا ہو، سنجیدہ گفتگو کو زیادہ اہمیت کا حامل بنانا ہو ہر جگہ منطق ہی سے مدد لی جاتی ہے۔ منطق کی اہمیت درج ذیل نکات سے واضح کی جاسکتی ہے۔

1۔ صحیح فکر کا مطالعہ 2۔ قیاس کرنا 3۔ مغالطہ پیدا کرنا 4۔ تحریر کو منظم بنانا 5۔ تقریر کو مدلل بنانا
6۔ زبان کی تصحیح کرنا 7۔ ریاضی میں استعمال 8۔ علامات اور نشانات کا استعمال 9۔ جدید ٹیکنالوجی
10۔ ذہانت میں تیزی لانا 11۔ علم العلوم 12۔ استدلال کرنا 13۔ مفروضے قائم کرنا
14۔ روزمرہ زندگی میں استعمال 15۔ امکان اور احتمال

1- صحیح فکر کا مطالعہ

منطق صحیح فکر کے مطالعہ کا نام ہے۔ دراصل یا تو فکر صحیح ہوتا ہے اور یا صحیح نہیں ہوتا۔ اگر فکر ہو تو اس کی تصحیح منطق کے اصولوں سے کی جاتی ہے۔ فکر کے اصول منطق میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں جن کی بنا پر غلط فکر(Invalid Thought) مغالطہ (Fallacy) یا التباس (Illusion) سے بچا جاسکتا ہے چونکہ منطق صحیح فکر کے مطالعہ کا نام ہے اس لیے منطق کا کام صحیح فکر (Valid Thought) کا مطالعہ کرنا ہے تاکہ قیاس کی اغلاط سے بچا جاسکے۔ صحیح فکر اور فکر کی سچائی بھی منطق ہی سے

ممکن ہوتی ہے۔ صحیح فکر کے قوانین وضع کرنا بھی منطق کا کام ہے۔ ان قوانین کی مدد سے فکر کے اتار چڑھاؤ اور حقائق کا پتہ لگایا جاتا ہے۔

-2 قیاس کرنا

قیاس منطق میں ایک اہم عمل ہے جس سے دیے ہوئے دو مقدمات میں سے منطقی طور پر نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ قیاس بھی وہ طریق کار ہے جو منطق کی اصل روح ہے۔ قیاس ہی منطقی عمل کو مکمل کرتا ہے۔ قیاس کی مختلف اشکال اور صحیح ضروب سے منطقی نتائج حاصل کیے جاتے ہیں۔ قیاس سے اصولوں پر عمل کر کے فکر کے قوانین کا حقائق کے مطابق مطالعہ کیا جاتا ہے۔

-3 مغالطہ پیدا کرنا

حالات، واقعات اور مواقع کو مدنظر رکھ کر جو صورت حال پیدا کی جاتی ہے اسے مغالطہ (Fallacy) کہتے ہیں۔ جنہیں ہم اپنی گفتگو، تقریر اور تحریر میں روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ وکلا، اپنا مقدمہ جیتنے کے لیے دلائل کا سہارا لیتے ہیں وہ دوران گفتگو کئی قسم کے مغالطے پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ فریق ثانی کو شکست دے دیتے ہیں۔ مغالطہ منطق کے اصولوں سے پیدا کیا جاتا ہے۔ کبھی الفاظ کے اتار چڑھاؤ سے، کبھی حالات و واقعات میں تبدیلی پیدا کر کے اور کبھی معمولی بات کو زوردار انداز میں بیان کر کے مغالطہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ مغالطوں کی لاتعداد قسمیں ہیں۔ چونکہ مغالطہ منطق ہی پیدا کرسکتا ہے اس لیے منطق کی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس سے مغالطے پیدا کیے جاتے ہیں۔ روزمرہ کی عمومی گفتگو میں بھی مغالطے پیدا کیے جاتے ہیں۔ جج بھی اپنے فیصلے میں مغالطے پیدا کرتا ہے تو بڑی عدالت میں اپیل کی جاسکتی ہے۔

-4 تحریر کو مستند بنانا

محقق، استاد یا کوئی بھی تعلیم یافتہ شخص اپنی تحریر کو مستند اور بااعتماد بنانے کے لیے منطق سے مدد لیتا ہے۔ علم منطق ہمیں سکھاتا ہے کہ لکھتے وقت غیر ضروری مواد کو شامل نہ کیا جائے۔ ضرورت کے مطابق موضوع کے لحاظ سے تحریر میں متعلقہ نکات یا ذیلی موضوعات اور افکار شامل کیے جاتے ہیں۔ یہ ہمیں علم منطق ہی سکھاتا ہے کہ تحریر کو پختہ اور مستند کیسے بنایا جاتا ہے۔ متعلقہ اور صحیح مواد کا چناؤ بھی علم منطق ہی سکھاتا ہے۔

-5 تقریر کو مدلل بنانا

منطق کا دارومدار دلائل پر ہے۔ ہر قضیہ یا جملہ دلیل کی صورت ہوتا ہے۔ نتائج بھی دلائل ہی سے اخذ کیے جاتے ہیں۔ واعظ، استاد، وکیل، سیاست دان یا کوئی بھی مقرر اپنی تقریر کو مدلل بنانے کے لیے منطق میں بیان کردہ فکر سے اصولوں کو مدنظر رکھتا ہے۔ مغالطے پیدا کرتا ہے۔ استدلال اور استخراج سے نتائج اخذ کرتا ہے۔ فکر کے صوری اور مادی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تقریر کو زیادہ مدلل بناتا ہے اسی لیے منطق کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ تقریر کو مدلل اور زیادہ طاقت ور بنانے کے لیے اس کا سہارا لیا جاتا ہے۔

6- زبان کی تصحیح کرنا

منطق کا اہم موضوع فکر ہے اور صرف و نحو (Grammar) کا موضوع زبان (Language) ہے۔ فکر ہمیشہ زبان میں ادا کیا جاتا ہے۔ زبان الفاظ اور فقرات کی مدد سے فکر میں پختگی پیدا کرتی ہے۔

زبان کی تصحیح فکر ہی سے ممکن ہے اور فکر کی بنیادیں نطق پر مبنی ہوتی ہیں۔ معمولی الفاظ کو بھی منطق حقیقی معنی پہنا دیتا ہے۔ منطق کی دلچسپی فکر اور زبان دونوں سے ہے۔ نطق (Logos) کے معنی ہیں بولنا۔ اسی سے منطق (Logic) کا لفظ مشتق کیا گیا ہے۔ منطق میں زبان اور فکر کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس ساری بحث سے پتہ چلتا ہے کہ زبان کی تصحیح منطق ہی سے ممکن ہوتی ہے۔ زبان کی تشکیل بھی منطق میں بتائے ہوئے فکر کے اصول ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

7- ریاضی میں استعمال

دلائل (Arguments)، تصور (Idea)، تصدیق (Verification)، فکر (Thought) اور قیاس (Syllogism) وغیرہ منطق کی اہم اصطلاحات ہیں۔ ان اصطلاحات کی عملی شکل ریاضی میں نظر آتی ہے۔ الجبرا، جیومیٹری اور ریاضی کے بنیادی اصولوں (Axioms) کے بارے میں منطق مواد مہیا کرتا ہے اور ان کے اصول وضع کرتا ہے۔ منطق ہی وہ علم ہے جو یولر (Euler) کے دائرے وین ڈائیگرام (Venn Diagram) اور سچ کے جدول (Truth Table) کی مدد سے فکر کو جدید انداز میں پیش کرتا ہے اور یہی سب کچھ ریاضی میں ہے اس لیے منطق کی اہمیت اور ضرورت یہ بھی ہے کہ اس کے دیئے ہوئے اصول ریاضی میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ سچ کے اصول و جدول منطق کا اہم موضوع ہے۔ منطق کی مدد سے حروف اور علامتوں کی زبان تشکیل دی جاتی ہے۔

8- علامات اور نشانات کا استعمال

علامات اور نشانات (Signs and Symbols) بھی منطق کی اہم اصطلاحات ہیں۔ صحت فکر کا جائزہ ہے۔ قیاس کو حروف میں بیان کرنے اور منطق کے دیگر کئی ایک موضوعات میں علامات اور نشانات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک طویل فقرے کو چھوٹی علامت میں ظاہر کیا جاتا ہے اور اسی طرح ان علامات اور نشانات کی مدد سے منطقی نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔ مثلاً:

"اسلم ذہین ہے اور اسلم عقلمند ہے۔"

اس فقرے کو علامت میں یوں ظاہر کیا جائے گا۔

اسلم ذہین ہے۔ = p

اسلم عقلمند ہے۔ = q

"اور" یعنی اشتراک کے لئے نقطہ (Dot) کی علامت استعمال ہوگی اس طرح ایک طویل فقرے کو چھوٹی علامت میں

یوں ظاہر کیا جائے گا۔

P.9

گہرے بادل اور پانی مانگنے کا مخصوص طریقہ بھی یقیناً علامتی معنی رکھتا ہے۔ ٹریفک سگنل اور ٹریفک پولیس کا سپاہی جو اشارے کرتا ہے وہ بھی علامت کی واضح مثال ہیں۔ منطق سے زبان اور صرف و نحو تشکیل دی جاتی ہے۔ الفاظ کے علاوہ بھی ایسی زبان ہوتی ہے جس سے مدعا بیان کیا جاسکتا ہے اور وہ اشاروں، کنایوں، استعاروں، علامتوں اور نشانات کی زبان ہوتی ہے جیسے کہ ٹریفک علامات اور نشانات (Traffic Signs & Signals)۔ یہ سب کچھ ہمیں منطق ہی مہیا کرتا ہے۔

9- جدید ٹیکنالوجی

منطق کا استعمال جدید ٹیکنالوجی میں بہت زیادہ ہے۔ جدید ٹیکنالوجی خصوصاً کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی بنیاد تو منطق ہی ہے۔ تمام جدید پروگرام منطق ہی کے مرہونِ منت ہیں۔ ضرب، تقسیم کے ذریعے کسی بھی پروگرام کو جدید سے جدید تر بنایا جاتا ہے۔ کمپیوٹر کی اپنی زبان ہوتی ہے، ہندسوں اور نشانات کی زبان اور یہ زبان منطق ہی مہیا کرتا ہے۔ کمپیوٹر کی ایجاد کو علم منطق نے فروغ دیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی محقق کسی بھی جدید ٹیکنالوجی میں منطق میں دیئے ہوئے فکر کے اصولوں کو مدنظر رکھتا ہے۔

مفروضے قائم کرنا تحقیق کا بنیادی عنصر ہے۔ اس کے بغیر تحقیق یا تفتیش آگے بڑھ ہی نہیں سکتی اور مفروضے منطق ہی کا ایک اہم حصہ ہیں۔ اس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جدید ٹیکنالوجی میں منطق کا خصوصی استعمال کیا جاتا ہے۔

10- ذہانت میں تیزی

جدید نفسیات کی تحقیق کے مطابق کسی شخص کی ذہانت کا درجہ بڑھ نہیں سکتا لیکن اس کو تیز (Sharp) کیا جاسکتا ہے۔ ذہانت کی تربیت ہوسکتی ہے، منطق کے اصول اور ان کے استعمال سے ذہانت میں تیزی لائی جاسکتی ہے۔ اسے دماغی مشق (Mental Exercise) بھی کہتے ہیں۔

منطق کا مطالعہ کرنے والا اپنی تمام تر صلاحیتوں کا صحیح اور بروقت استعمال کرتا ہے۔ اس طرح وہ قابلیتوں، صلاحیتوں اور علمیتوں کو استعمال کرکے ذہانت کو تیز (Sharp) کرسکتا ہے۔ منطق کے اصول و ضوابط پر مبنی فکر کے قوانین اور مغالطوں سے دماغی مشق ہوتی ہے کیونکہ سوچ و بچار میں منطق کا بے حد عمل دخل ہے۔

11- علم العلوم

منطق وہ علم ہے جو صحیح فکر کے قوانین کا مطالعہ کرتا ہے۔ ہر علم کو صحیح استدلال اور استخراج کی ضرورت ہوتی ہے۔ صحیح قیاس کا استعمال ہر علم میں کیا جاتا ہے۔ صحیح استدلال اور قیاس کے اصول علم منطق دیتا ہے۔ لہٰذا ہر علم اس لحاظ سے علم منطق کا محتاج ہے۔ اسی بنا پر منطق کا فن یعنی صحیح استدلال کا فن بھی تمام فنون سے افضل ہے اس لیے منطق کو علم العلوم

(Science of Sciences) اور فن الفنون (Art of Arts) کہا جاتا ہے۔

12- استدلال کرنا

منطق میں عمل استدلال ہی سے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ اگر استدلال کیا ہی نہ جائے تو پھر کسی بھی کوشش، علم یا کام کا کوئی بھی نتیجہ اخذ نہیں ہوگا۔ اس لیے علم منطق میں استدلال کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ استدلال ہمیشہ دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔ استدلال منطق کی روح ہے۔ استدلال کرنا جو کوئی سیکھ جاتا ہے گویا وہ علم منطق سے استفادہ کرنا سیکھ جاتا ہے۔

13- مفروضے قائم کرنا

کسی واقعہ، شے یا عمل کے ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ کوئی واقعہ سرزد ہونے کے بعد محقق اس کی حقیقت معلوم کرتا ہے اور یہ صرف اور صرف مفروضے قائم کرنے ہی سے ممکن ہوتا ہے۔ مفروضہ وہ جملہ یا قضیہ ہوتا ہے جو محقق کو واقعہ کی حقیقت کی طرف لے جانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ مفروضہ منطق کا اہم حصہ ہے فکر کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر صحیح اور مناسب مفروضے قائم کیے جاسکتے ہیں۔

14- روزمرہ زندگی میں استعمال

منطق کا روزمرہ زندگی میں بے حد استعمال کیا جاتا ہے۔ چٹکلے، پہیلیاں، طنز و مزاح اور سنجیدہ گفتگو میں ہر لمحہ منطق کا استعمال کیا جاتا ہے۔ عام شخص بھی اپنی بات کو مستند بنانے کے لیے منطق کے اصولوں کا استعمال ضرور کرتا ہے۔ خواہ وہ علم منطق کے بارے میں سوجھ بوجھ رکھتا ہو یا نہیں۔ وکیل بھی تمام بحث منطقی نوعیت کی کرتا ہے تو مقدمہ جیت جاتا ہے۔ جج بھی منطقی فیصلہ کرتا ہے۔ وکلاء کے دلائل اور دیگر شواہد کی بنا پر اس کا فیصلہ مستحکم ہوتا ہے۔

استاد اور واعظ ہمیشہ اپنی گفتگو اور تقریر و تحریر میں منطق کا استعمال کرتے ہیں۔ دکاندار، بس کنڈیکٹر، گاہک، مسافر غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے کا ہر کردار منطق کا دانستہ یا غیر دانستہ طور پر استعمال ضرور کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو تمام گفتگو بے معنی اور بے مقصد ہو کر رہ جائے گی۔

15- امکان اور احتمال

دنیا میں فکر کی نشوونما ہمیشہ ہوتی رہتی ہے اور فلسفے میں کبھی کچھ بھی حتمی نہیں ہوتا اس لیے علوم و فنون، تعریفات کی صورت امکان (Possible) اور احتمال (Probable) کی ہوتی ہے۔ اس امکان اور احتمال کو منطق ہی فکری بساط مہیا کرتا ہے۔ تحقیقی انداز ہو، مفروضے قائم کرنے ہوں یا استقرائی طریقہ کار ہو، ان میں امکان اور احتمال کو خصوصی اہمیت حاصل ہے اور یہ دونوں منطق کے اہم موضوعات ہیں جس سے حقائق کا پتہ لگانے میں مدد ملتی ہے۔ حقائق کو جاننے کے لیے امکانیت سے ابتدا کی جاتی ہے اور اس امکانیت میں حقیقت چھپی ہوتی ہے۔

قضیے اور دلائل (Propositions & Arguments)

منطق کا تعلق اور بنیاد فکر پر ہے۔ فکر ایک ذہنی عمل ہے۔ انسانی ذہن جو کچھ بھی سوچتا ہے اس کا تعلق عمل استدلال سے ہے کیونکہ منطق کی ساری منزل عمل استدلال پر ہی قائم ہوتی ہے۔

دو تصورات کے مابین کوئی مشترک عنصر تعامل پیدا کرتا ہے جس سے ان تصورات کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً ''تمام انسان فانی ہیں'' میں ''انسان'' اور ''فانی'' دو الگ الگ تصورات ہیں۔ ان میں تعلق پیدا کر کے انسان کے فانی ہونے کی تصدیق کی گئی ہے اسی طرح دو تصدیقات کے درمیان عنصر تعامل یا خصوصی تعلق پیدا کر کے استخراج (Inference) کا عمل ہوتا ہے۔

مثلاً:

تمام	انسان	فانی	ہیں
سقراط	ایک	انسان	ہے
لہٰذا	سقراط	فانی	ہے

ان تینوں جملوں یا قضیوں کا آپس میں تعلق، ربط اور منطقی تسلسل پایا جاتا ہے۔ اس منطقی تسلسل کو عمل استخراج کہتے ہیں۔ اس میں پہلے دو جملے آپس میں تعلق کی بنا پر ترتیب وار ہیں۔ اسی منطقی ترتیب کی وجہ سے تیسرا جملہ پہلے دو جملوں سے اخذ ہوتا ہے جو عمل استخراج یا عمل استدلال (Process of Reasoning) کی وجہ سے اخذ ہوا ہے۔ اس تیسرے جملے کو نتیجہ استخراج یا نتیجہ استدلال (Inference of Reasoning) کہتے ہیں اور منطق کا تعلق نتیجہ استدلال سے ہے گو کہ یہ عمل استدلال ہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جب استدلال یا استخراج کو الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے تو اسے دلیل (Argument) کہتے ہیں۔

مقدمات اور نتائج (Premisess and Conclusions)

منطق استخراجیہ میں مقدمات سے حتمی نتائج اخذ کئے جاتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقدمات سے کیا مراد ہے؟ منطق میں کوئی مکمل جملہ جس میں کسی شے یا واقعہ کے بارے اقرار یا انکار کیا جائے اسے قضیہ (Proposition) کہتے ہیں۔ قضیے میں موضوع (Subject) اور محمول (Predicate) دو حدود یا اطراف (Terms) ہوتی ہیں۔ موضوع وہ ہے جس کے بارے میں اقرار یا انکار کیا جائے اور محمول وہ ہے جس میں موضوع کے متعلق اقرار یا انکار کیا جائے۔ ان دونوں کو ملانے کے لئے ایک علامت رابطے کے طور پر استعمال ہوتی ہے جسے نسبت حکمیہ (Copula) کہتے ہیں۔ مثلاً ''انسان فانی ہیں'' اس میں ''انسان'' اور ''فانی'' دونوں حدود ہیں اور لفظ ''ہیں'' نسبت حکمیہ ہے۔ ''انسان'' موضوع ہے۔ جبکہ ''فانی'' محمول ہے۔ یہ دونوں حدود ہیں۔ ان دونوں کے تعلق یا رابطے سے اقرار ہوتا ہے کہ ''انسان فانی ہیں''۔ یہ جملہ یا قضیہ ہے اور ایسے ہی کئی ایک قضیے قائم کئے جاتے ہیں جنہیں منطق استخراجیہ میں استدلال کرتے وقت مقدمات کہا جاتا ہے۔ استدلال سے مراد ہے کہ دلیل سے

دیے ہوئے قضیوں سے نتیجہ اخذ کرنا۔ مثلاً

تمام انسان فانی ہیں

سقراط ایک انسان ہے

لہٰذا سقراط فانی ہے

اس استدلال میں پہلا قضیہ "تمام انسان فانی ہیں" مقدمہ کبریٰ (Major Premise) کی حیثیت سے آیا ہے اور "سقراط ایک انسان ہے" مقدمہ صغریٰ (Minor Premise) کی حیثیت سے آیا ہے۔ "لہٰذا سقراط فانی ہے" ان دونوں سے اخذ کردہ نتیجہ ہے۔

چند ایک مثالیں مزید لیجئے۔

1۔ تمام فلسفی عقلمند ہیں۔

تمام منطقی فلسفی ہیں۔

لہٰذا تمام منطقی عقلمند ہیں۔

2۔ فلسفے کے تمام طلباء ذہین ہیں۔

احسان فلسفے کا طالب علم ہے۔

لہٰذا احسان ذہین ہے۔

دلیل کی اقسام (Types of Arguments)

دلائل کا تعلق استدلال سے ہے کہ جس میں قضایا کو اس مناسبت سے ملایا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک قضیہ ہمیشہ نتیجہ کے طور پر اپنے دیگر قضیوں سے بطور مقدمات اخذ ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ دلائل میں چند قضایا بطور مقدمات مجموعی لحاظ سے ایک قضیہ بطور نتیجہ پر دلالت کرتے ہیں یہاں یہ نکتہ توجہ کا طالب ہے کہ مقدمات اور نتیجہ کی اصطلاحات کی نوعیت نسبتی (Relative) ہوتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی دلیل میں اگر کوئی قضیہ مقدمہ کے طور پر استعمال ہوا ہے تو وہی قضیہ کسی دوسری دلیل میں نتیجہ کے طور پر استعمال ہوسکتا ہے۔ مثلاً:

تمام طے شدہ باتیں، امر لازم ہیں۔

تمام واقعات، طے شدہ باتیں ہیں۔

لہٰذا تمام واقعات، امر لازم ہیں۔

اس دلیل میں "تمام واقعات، طے شدہ باتیں ہیں۔" ایک ایسا قضیہ ہے جو مقدمے کے طور پر استعمال ہوا ہے جب کہ یہی قضیہ درج ذیل دلیل میں ایک نتیجہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

تمام طے شدہ باتیں، امر لازم ہیں۔

تمام واقعات، امر لازم ہیں۔

لہٰذا تمام واقعات، طے شدہ باتیں ہیں۔

گویا کسی ایک دلیل کا مقدمہ کسی دوسری دلیل کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کسی ایک دلیل کا نتیجہ کسی دوسری دلیل کا محض ایک مقدمہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً:

تمام شرارتی بچے تیز ہیں۔

تمام بچے تیز ہیں۔

لہٰذا تمام بچے شرارتی ہیں۔

اس دلیل میں "تمام بچے شرارتی ہیں" ایک ایسا قضیہ ہے جو نتیجہ کے طور پر استعمال ہوا ہے جب کہ یہی قضیہ درج ذیل دلیل میں ایک مقدمہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

تمام شرارتی بچے تیز ہیں۔

تمام بچے شرارتی ہیں۔

لہٰذا تمام بچے تیز ہیں۔

پس کوئی قضیہ بذات خود نہ مقدمہ ہوتا ہے اور نہ ہی نتیجہ۔ کسی دلیل کو وضع کرتے وقت ہی اس صورت حال کا تعین ہوتا ہے کہ زیر استعمال قضیہ مقدمہ ہے یا نتیجہ۔

روایتی طور پر دلائل کی دو بڑی اقسام ہیں۔ استخراجی(Deductive) اور استقرائی(Inductive)۔ ارونگ کوپی(Irving Copi) کا کہنا ہے کہ "استقرائی سائنسز" (The Philosophy of the Inductive Sciences) میں ولیم وھول (William Whewell) نے ان دونوں دلائل کے امتیاز کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"...in Deductive we infer particular from general truths; while in Induction we infer general from particular ...."

"استخراج میں ہم عمومی سچائیوں سے جزوی کو اخذ کرتے ہیں، جبکہ استقراء میں ہم جزوی سے کل کو اخذ کرتے ہیں۔" اس اعتبار سے استخراجی دلیل کی مثال یوں ہوگی۔

تمام انسان فانی ہیں۔

سقراط انسان ہے۔

لہٰذا سقراط فانی ہے۔

یہاں بلاشبہ ایک عمومی قضیہ "تمام انسان فانی ہیں" سے ایک جزوی نتیجہ "سقراط فانی ہے" برآمد کیا گیا ہے۔ اس کے

برعکس، استقرائی استدلال کی مثال کچھ اس طرح ہوگی۔

سقراط (Socrates) انسان ہے اور فانی ہے۔

زنتھیپا (Xanthippe) انسان ہے اور فانی ہے۔

سافو (Sappho) انسان ہے اور فانی ہے۔

لہٰذا غالباً تمام انسان فانی ہیں۔

یہاں "تمام انسان فانی ہیں۔" ایک عمومی نتیجہ ہے جو اپنے جزوی مقدمات سے اخذ ہوا ہے۔

اروِنگ کوپی (Irving Copi) کے خیال میں ولیم وھیول (William Whewell) نے استخراجی استدلال اور استقرائی استدلال میں جو فرق امتیاز کیا ہے، وہ ناکافی ہے۔ اس ضمن میں پہلے استخراجی اور پھر استقرائی دلائل کی چند ایک مثالوں کو مدنظر رکھتے ہیں۔ مثلاً، استخراجی استدلال کی اس مثال میں عمومی مقدمات سے عمومی نوعیت کا ہی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔

تمام انسان فانی ہیں۔

تمام بادشاہ انسان ہیں۔

لہٰذا تمام بادشاہ فانی ہیں۔

جبکہ استخراجی استدلال کی اس مثال میں جزوی مقدمات سے جزوی نوعیت کا ہی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔

گوئٹے (Goethe) شاعرانہ ذوق رکھتا تھا۔

گوئٹے (Goethe) سائنسی قابلیت رکھتا تھا۔

لہٰذا کچھ سائنسی قابلیت کے مالک شاعرانہ ذوق رکھتے ہیں۔

اسی طرح استقرائی استدلال کی اس صورت میں جزوی سے عمومی نتیجہ برآمد ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔

ہٹلر (Hitler) مطلق العنان تھا اور جابر تھا۔

سٹالن (Stalin) مطلق العنان تھا اور جابر تھا۔

کاسترو (Castro) مطلق العنان ہے۔

لہٰذا کاسترو (Castro) غالباً جابر ہے۔

بے شک اس مثال میں چند جزوی مقدمات سے ایک جزوی نوعیت کا ہی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ بعض استقرائی استدلال میں عمومی مقدمات سے ایک عمومی نوعیت کا نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

تمام گائیں ممالیا ہیں اور پھیپھڑے رکھتی ہیں۔

تمام گھوڑے ممالیا ہیں اور پھیپھڑے رکھتے ہیں۔

تمام انسان ممالیا ہیں اور پھیپھڑے رکھتے ہیں۔

لہٰذا تمام ممالیا پھیپھڑے رکھتے ہیں۔

اروِنگ کوپی (Irving Copi) استخراجی اور استقرائی دلائل کے امتیاز کو بالا فراز لفظوں میں اُجاگر کرنا مناسب خیال کرتا ہے۔

"Only a deductive argument involves the claim that its premises provide conclusive grounds for the truth of its conclusion ... Inductive arguments,on the other hand, involves the claim, not that its premises give conclusive grounds for the truth of its conclusion, but only they provide some support for it."

"استخراجی دلائل اس دعویٰ کا حامل ہے کہ اس کے مقدمات اپنے نتیجہ کی سچائی کے لئے کلی جواز مہیا کرتے ہیں۔ دوسری جانب، استقرائی دلائل اس دعویٰ کا حامل ہے کہ اس کے مقدمات اپنے نتیجہ کی سچائی کے لئے کلی جواز مہیا نہیں کرتے بلکہ جزوی جواز مہیا کرتے ہیں۔"

اس بناء پر استخراجی دلائل اور استقرائی دلائل کے درمیان یہ فرق بھی سامنے آتا ہے کہ استخراجی دلائل کے نتائج اپنے مقدمات سے لازمی طور پر اخذ ہوتے ہیں اور ہمیشہ حتمی اور قطعی توجیت کے حامل ہوتے ہیں جبکہ استقرائی دلائل کے نتائج اپنے مقدمات سے لازمی طور پر اخذ نہیں ہوتے بلکہ زیادہ تر امکانی اور احتمالی ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے استخراجی دلائل کے نتائج سو فیصد صحیح ہوتے ہیں یا سو فیصد غلط۔ جبکہ استقرائی دلائل کے نتائج کبھی بھی سو فیصد صحیح یا غلط نہیں ہوسکتے بلکہ کمزور یا مضبوط ہوسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب تک ایک بھی سرمئی (Grey) رنگ کا راج ہنس دنیا میں نہیں دیکھا گیا تھا تو اس وقت تک یہی استقرائی دلیل مضبوط مانی جاتی تھی کہ دنیا کے تمام راج ہنس سفید ہوتے ہیں۔ لیکن براعظم آسٹریلیا کی دریافت کے بعد جب سے سرمئی رنگ کے راج ہنس دیکھنے میں آئے ہیں تب سے اس نتیجے کی مضبوطی میں ضعف آگیا ہے کہ تمام راج ہنس سفید ہوتے ہیں۔

استخراجی استدلال اور استقرائی استدلال کی تمیز فکر کی ایک اور مناسبت سے بھی اجاگر ہوتی ہے۔ دراصل منطقی طور پر فکر کے دو انداز ہیں۔ اولاً، صحت (Validity) اور ثانیاً، سچائی (Truth)۔

صحت (Validity) میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ فکر اپنے آپ سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں۔ سچائی (Truth) میں یہ جانچا جاتا ہے کہ فکر بیرونی حقائق سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں۔ فکر (Thought) کے ان دو مفہوم یا انداز کی بنا پر منطق کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1- منطق استخراجیہ (Deductive Logic) جو استخراجی دلائل پر انحصار کرتی ہے۔

2- منطق استقرائیہ (Inductive Logic) جو استقرائی دلائل پر انحصار کرتی ہے۔

منطق کی ان دو اقسام کو دلائل کی دو بڑی جماعتیں بھی کہا جاتا ہے۔ فکر کی مناسبت سے اگر دیکھا جائے تو ان دونوں دلائل میں کچھ اسی طرح کا فرق سامنے آتا ہے۔

-1 منطق استخراجیہ (Deductive Logic)

منطق استخراجیہ میں فکر کے اصول کے مطابق صوری صحت (Formal Validity) دیکھی جاتی ہے یعنی یہ خیال کیا

جاتا ہے کہ منطق استخراجیہ میں جو دلائل (Arguments) دیے جا رہے ہیں ان میں خود تردیدی نہ ہو کیونکہ منطق میں کوئی جملہ ایسا قابل قبول نہیں ہوتا جو خود ہی اپنی نفی کرتا ہو۔

اروِنگ کوپی (Irving Copl) کی بیان کردہ وضاحت کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ منطق استخراجیہ میں نتائج کا تعلق دیے ہوئے مقدمات سے مکمل طور پر ہوتا ہے یعنی جو کچھ مقدمات میں دیا جاتا ہے خود بخود نتائج میں اخذ ہو جاتا ہے۔ کوئی نئی بات شامل نہیں کی جا سکتی۔ منطقی نتیجہ کی روح بھی یہی ہے کہ دیے گئے مفروضوں یا مقدمات سے اصولی اور قطعی طور پر نتیجہ حاصل کیا جاتا ہے جو ان مقدمات میں پنہاں ہوتا ہے۔

ایک استخراجی دلیل (Deductive Arguement) اس وقت صحیح ہوتی ہے جب اس کے مقدمات صحیح (Valid) ہوں تو اس کا نتیجہ بھی صحیح ہوگا۔

منطق استخراجیہ کی مزید مثالیں اس کے مفہوم کو ثابت کرنے کے لیے دی جاتی ہیں۔ جس طرح کے مقدمات ہوں گے اسی طرح کے نتائج ہوں گے۔ اگر مقدمات میں حقائق کے مطابق شواہد دیے گئے ہیں تو انہی کا عکس نتائج میں نظر آئے گا اور اگر صورت حال حقائق کے مطابق نہیں ہے تو بھی وہی کچھ خود بخود نتائج کے ذریعے حاصل ہوگا جو مقدمات میں پہلے ہی موجود ہے۔
مثلاً:

تمام	انسان	فانی	ہیں
سقراط	ایک	انسان	ہے
لہٰذا	سقراط	فانی	ہے

فلسفے	کے	تمام	طلباء	ذہین	ہیں
احسان	فلسفے	کا	طالب	علم	ہے
لہٰذا		احسان		ذہین	ہے

ان دونوں مثالوں میں یہ بات واضح ہے کہ دیے ہوئے دو مقدمات میں سے خود بخود نتیجہ اخذ ہوا ہے۔ "تمام انسان فانی ہیں" اور پھر "سقراط ایک انسان ہے" دو مقدمات ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس میں سے نتیجہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں منطقی طور پر خود بخود نکل آئے گا کہ "سقراط فانی ہے۔" یہ نتیجہ دراصل پہلے مقدمے "تمام انسان فانی ہیں" میں پنہاں ہے جسے دوسرا مقدمہ "سقراط ایک انسان ہے" سامنے لے آتا ہے۔

اسی طرح دوسری مثال میں پہلا مقدمہ "فلسفے کے تمام طلبا ذہین ہیں۔" کے ساتھ جب دوسرا مقدمہ "احسان فلسفے کا طالب علم ہے۔" شامل کیا جاتا ہے تو پہلے مقدمے میں چھپا ہوا نتیجہ خود بخود منطقی طور پر نکل آتا ہے کہ "لہٰذا احسان ذہین ہے۔"

اگر صورت حال حقائق کے مطابق نہ بھی ہو تو نتیجہ پھر بھی ویسا ہی نکلے گا جیسے مقدمات دیے گئے ہیں کیونکہ ہم اپنی

طرف سے کچھ شامل نہیں کرتے۔ صرف اس عمل میں مدد کرتے ہیں جس سے نتیجہ اخذ ہو جائے۔ اگر کسی طرح ہمارے پاس ایسے مقدمات ہوں۔ مثلاً:

تمام	درخت	انسان	ہیں
اسلم	ایک	درخت	ہے
لہٰذا	اسلم	انسان	ہے

اس منطقی دلیل میں بغور دیکھا جائے تو پہلا مقدمہ "تمام درخت انسان ہیں" میں اسی طرح نتیجہ چھپا ہوا ہے جیسے پہلے دی ہوئی مثالوں میں چھپا ہوا ہے اور دوسرا مقدمہ "اسلم ایک درخت ہے" واضح کر دیتا ہے کہ نتیجہ اسلم کے بارے میں اخذ ہوا ہے۔

منطق استخراجیہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ فکر اپنے آپ سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں یعنی فکر میں خود تردیدی تو نہیں پائی جاتی۔ اس میں فکر کی صوری (Formal) حالت دیکھی جاتی ہے۔ حقائق کے بارے میں نہیں جانچا جاتا۔ جیسے "تمام انسان فانی ہیں" اس میں خود تردیدی نہیں پائی جاتی اور اسی طرح "تمام درخت انسان ہیں" اس میں بھی خود تردیدی نہیں پائی جاتی۔ بیشک یہ حقائق کے مطابق نہیں ہے کیونکہ منطق استخراجیہ کا تعلق صوری صحت سے ہے نہ کہ مادی سچائی سے۔ ایک اور مثال لیجئے۔

تمام فلسفی عقلمند ہیں۔
تمام منطقی فلسفی ہیں۔
لہٰذا تمام منطقی عقلمند ہیں۔

اس مثال میں بھی وہی صورت حال ہے کہ "تمام فلسفی عقلمند ہیں۔" ایک ایسا مقدمہ ہے جس میں صرف اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ کہیں خود تردیدی تو نہیں رہ گئی گویا یہاں یہ نہیں دیکھا ہوتا کہ اس کی مادی سچائی کیسی ہے۔ یہاں تو نتیجہ خود بخود منطقی طور پر اخذ ہو جاتا ہے۔ خود تردیدی کی مثال یہ ہے کہ "تمام منطقی عقلمند اور غیر عقلمند ہیں۔"

یہ تمام مثالیں منطق استخراجیہ کی وضاحت کرتی ہیں۔

-2 منطق استقرائیہ (Inductive Logic)

منطق استقرائیہ منطق کی وہ صورت ہے جس میں مقدمات کی مادی سچائی (Material Truth) دیکھی جاتی ہے کہ دیے ہوئے مقدمات حقائق کے مطابق ہیں یا نہیں ہیں۔ اگر حقائق کے مطابق ہیں تو حاصل کردہ نتیجہ منطقی طور پر سچ ہو گا۔ اروِنگ کوپی (Irving Copi) کے خیال میں منطق استقرائیہ یہ دعویٰ نہیں کرتی کہ اس کے مقدمات، بیشک وہ سچ ہوں، وہ یقین کے ساتھ نتائج کی مدد کرتے ہیں، وہ ایک کمزور لیکن کسی حد تک اہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے مقدمات اپنے نتائج کی مد امکانیت (Probability) کے ساتھ کرتے ہیں جس میں یقین کی صورت کم ہوتی ہے۔ فکری صحت اور غیر صحت کا اصول منطق استخراجیہ کی طرح منطق استقرائیہ پر لاگو نہیں ہوتا۔ استقرائیہ دلائل نہ تو صحیح (Valid) ہوتے ہیں اور نہ ہی غیر صحیح (Invalid)۔

وہ مضبوط ہوتے ہیں یا کمزور۔ روز مرہ زندگی میں مضبوط اور کمزور کا مفہوم لوگ اپنی ضرورت اور واقعاتی صورت حال کے مطابق طے کر لیتے ہیں۔ لیکن منطق میں مضبوط اور کمزور کی اصطلاحات بہت کم تر معنوں میں استعمال کی جاتی ہیں۔ منطق استقرائیہ کی چند ایک مثالوں سے اس کی وضاحت کی جا سکتی ہے۔

زید فانی ہے بکر فانی ہے، عمر فانی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

لہٰذا تمام انسان فانی ہیں۔

ایک سرخ آم میٹھا ہے، دوسرا سرخ آم میٹھا ہے، تیسرا سرخ آم میٹھا ہے

لہٰذا تمام سرخ آم میٹھے ہیں۔

فلسفے کا پہلا طالب علم ذہین ہے، دوسرا طالب علم ذہین ہے، تیسرا طالب علم ذہین ہے

لہٰذا فلسفے کے تمام طلباء ذہین ہیں۔

بلاشبہ منطق استقرائیہ میں وقوعات کی تعداد سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ چند ایک وقوعات کو دیکھ کر عمومی نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ اس میں اس بات کا خیال ضرور رکھا جاتا ہے کہ مقدمات کی مادی صورت سچ ہے کہ نہیں ہے یعنی حقائق کے مطابق مقدمات ہوں گے تو نتیجہ اخذ ہوگا۔ ورنہ یہ منطق استقرائیہ کی مثال نہیں ہوگی۔

جس طرح منطق استخراجیہ میں یقین سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ منطق استقرائیہ میں اس یقین سے نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں چند ایک وقوعات (Chances) سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ اس لئے منطق استقرائیہ میں اخذ کردہ نتائج کمزور ہوتے ہیں اور اتنے یقینی نہیں ہوتے جتنے منطق استخراجیہ میں حاصل کیے جاتے ہیں۔

سچائی اور صحت (Truth and Validity)

منطق استدلال اور صحیح فکر کے قوانین کا علم ہے۔ منطق کا کام صحتِ فکر (Validity of Thought) اور سچائی فکر (Truth of Thought) کو جانچنا ہے۔ فکر کی صحت سے مراد یہ ہے کہ فکر میں خود تردیدی نہ پائی جائے اور سچائی فکر سے مراد یہ ہے کہ فکر حقائق کے مطابق ہو۔ دوسرے لفظوں میں اگر بغور جائزہ لیا جائے تو فکر میں خود تردیدی نہ پائی جانے سے مراد یہ ہے کہ فکر صوری (Formal) انداز کا ہے۔ فکر حقیقت کے مطابق ہو، کا مفہوم ہے کہ فکر مادی (Material) ہے۔

بالفاظ دیگر منطق کا تعلق چونکہ فکر سے ہے اس لئے اس میں فکری لحاظ سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ قضیہ جو مقدمہ کی شکل اختیار کر جاتا ہے، اس کی حیثیت کیا ہے؟ آیا وہ حقائق کے مطابق ہے یا نہیں اور یہ بھی پتہ لگایا جاتا ہے کہ مقدمہ یا قضیہ کی ساخت ایسی تو نہیں ہے کہ اس کے اندر ہی اس کی نفی کی گئی ہو۔ اگر خود ہی نفی یا تردید پر مبنی ہے تو یہ مقدمہ قائم ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔

مادی سچائی کے حوالے سے قضیے یا مقدمے کی سچائی (Truth) دو طرح کی ہوتی ہے۔ مادی سچائی (Material Truth)

اور صوری سچائی (Formal Truth) مادی سچائی میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ قضیے یا مقدمے کی مادی صورت کیا ہے؟ آیا وہ حقیقت کے مطابق ہے؟ مثلاً اگر کوئی کہے کہ " باہر بارش ہورہی ہے۔" ہم جا کر تصدیق کریں اور واقعی بارش ہورہی ہو تو پھر یہ قضیہ حقیقت کے مطابق ہے۔ اسی طرح ایک اور مثال لیجئے اگر کوئی آکر بتائے کہ " سڑک پر حادثہ ہوا ہے" تو اس کی جائے وقوعہ پر تصدیق کی جاسکتی ہے۔ اگر واقعی حادثہ ہوا ہے تو پھر یہ قضیہ یا مقدمہ حقائق کے مطابق ہے۔ ان دونوں مثالوں میں قضیوں یا مقدمات کی نوعیت یہ ہے کہ وہ مادی لحاظ سے حقائق کے مطابق ہیں۔

صوری سچائی میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ قضیے یا مقدمے میں اپنے اندر ہی نفی یا تردید تو نہیں پائی جاتی۔ مثلاً اگر یہ قضیہ یا مقدمہ ہو کہ " تمام آم میٹھے ہیں۔" تو ان کی تصدیق کرکے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں آموں کو دیکھے جانے کے بجائے دیکھنا یہ ہے کہ ساخت اور ہیت کے لحاظ سے اس قضیے میں کوئی تناقض تو نہیں پایا جاتا۔ چونکہ " تمام آم میٹھے ہیں۔" میں ساخت کے لحاظ سے کوئی تناقض نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا یہ قضیہ یا مقدمہ سچ ہے لیکن اگر قضیہ یوں ہوتا کہ " تمام آم میٹھے بھی ہیں اور غیر میٹھے بھی۔" تو اس مقدمے کے اندر ہی تناقض یا خود تردیدی پائی جاتی ہے۔ اس طرح مزید مثالیں لیجئے کہ " تمام انسان فانی اور غیر فانی بھی ہیں۔" " تمام پھول سرخ بھی ہیں اور غیر سرخ بھی۔" " اس وقت دن بھی ہے اور غیر دن بھی۔" ان قضیوں کو غور سے دیکھا جائے تو ان سب میں تناقض یا خود تردیدی پائی جاتی ہے۔ اس لئے یہ قضیے سچ نہیں بلکہ باطل ہیں۔ یعنی مادی سچائی کو جانچتے ہوئے اگر بارش ہورہی ہے تو بارش کے ہونے کے بارے میں قضیہ سچ ہے اور اگر بارش نہیں ہورہی تو یہ قضیہ کہ " باہر بارش ہورہی ہے۔" باطل ہوگا۔

ان صورتوں کے ساتھ ساتھ بعض قضیے یا مقدمات ایسے ہوتے ہیں جو غیر مشروط طور پر سچ ہوتے ہیں لیکن ان کی سچائی صرف صوری ہوتی ہے۔ یعنی یہ قضیے ساخت اور ہیت کے لحاظ سے صحیح یا سچ ہوتے ہیں۔ مادی لحاظ سے انہیں جانچنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مثلاً ریاضی کے اصول اولیہ (Axioms) سچ اور حتمی ہوتے ہیں۔ دو جمع دو چار ہوتے ہیں۔ (2+2=4) ہر حال میں سچ ہے۔ مزید مثالیں لیجئے۔ یہ اصول کہ " اگر بارش ہوگی تو زمین گیلی ہوگی۔" " اگر تم محنت کروگے تو کامیاب ہوجاؤ گے۔"

ریاضی کے اصول اولیہ اور تعریفات سے ماخوذ قضیے ہر لحاظ سے سچ ہوتے ہیں۔ ایسے قضایا حتمی، آفاقی اور غیر مشروط طور پر سچ ہوتے ہیں۔ منطق کی اصطلاح میں اسے حتمی سچائی (Tautology) کہتے ہیں۔ مثلاً " مثلث جیومیٹری کی ایک ایسی شکل ہے جس کے تین اضلاع اور تین زاویے ہوتے ہیں۔" یہ مثلث کی حتمی تعریف ہے لہٰذا یہ سچ ہے اس کو حتمی سچائی کہیں گے۔

منطق میں صحت (Validity) کا تعلق یا اطلاق استنتاج (Inference)، استدلال (Reasoning) اور قیاس (Syllogism) پر ہوتا ہے۔ مثلاً صحیح فکر کی صوری سچائی میں بیرونی حقائق کے بجائے استنتاج کا نتیجہ دیے ہوئے مقدمات سے لازمی طور پر اخذ ہو۔ یہ منطقی طریقہ ہے۔ اس منطقی طریقہ میں دیے ہوئے مقدمات میں سے خودبخود نتیجہ اخذ ہو جاتا ہے۔ مثلاً

تمام	انسان	فانی	ہیں۔
سقراط	ایک	انسان	ہے۔
لہٰذا	سقراط	فانی	ہے۔

اس مثال کا بغور جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اوپر دیئے ہوئے دو مقدمات میں سے تیسرا قضیہ نتیجے کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ بالکل منطقی طور پر صحیح ہے۔ یہ عمل احتجاج اور استدلال بالکل صحیح ہے۔ لیکن اگر مثال یہ ہو کہ

تمام	انسان	فانی	ہیں۔	
سقراط	ایک	انسان	ہے۔	
لہٰذا	سقراط	فانی	نہیں	ہے۔

تو اس مثال کا نتیجہ صحیح اخذ نہیں ہوا۔ اس لئے کہ عمل احتجاج اور استدلال منطقی نہیں ہے۔ کیونکہ اوپر دیئے گئے دونوں مقدمات میں سے نتیجہ نکلنا چاہیے تھا۔ "لہٰذا سقراط فانی ہے۔" لیکن "نہیں" کا اضافہ کر کے اس نتیجہ میں خود تردیدی اور نفی پیدا کر دی گئی ہے۔ اس احتجاج میں خود تردیدی (Self-Contradiction) کو ظاہر کرتا ہے۔

لہٰذا جس فکر یا احتجاج میں خود تردیدی نہ پائی جائے وہ منطقی لحاظ سے صحیح ہوگا اور جس فکر یا احتجاج میں خود تردیدی پائی جائے وہ منطقی لحاظ سے غلط ہوگا۔

پس، فکر کی سچائی کے حوالہ سے اگر کسی استدلال میں تمام مقدمات سچ ہوں اور اس کا نتیجہ بھی سچ ہو تو یہ استدلال سچ ہوگا لیکن فکر کی صحت کے حوالہ سے اگر استدلال کے مقدمات صحیح ہوں اور اس کا نتیجہ بھی صحیح ہو تو یہ استدلال صحیح ہوگا۔

حاصل مطلب یہ نکلا ہے کہ کسی استدلال کے لئے قضیوں کی سچائی کا ہونا اور استدلال کے عمل کا صحیح ہونا دونوں لازمی شرائط ہیں کیونکہ استدلال کے مقدمات کی سچائی ہی سے اس کی صحت کی جانچ پڑتال کی جا سکتی ہے۔

مشقی سوالات

انشائی طرز (Subjective Type)

سوال 1: مختصر جواب دیں:

i۔ معیاری علوم کی اقسام کے نام بتائیں؟

ii۔ پروفیسر جان۔ ایس۔ میکنزی (John.S.Mackenzie) کے نزدیک کردار کی قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لئے کس چیز کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے؟

iii۔ "آرگنون" (Argnon) کس کی تصنیف ہے؟

iv۔ کس نے منطق کو مابعد الطبعیات کی کلید قرار دیا؟

v۔ کانٹ (Kant) کی تصنیف کا نام بتائیں؟

vi۔ منطق کو علم العلوم کیوں کر کہا جاتا ہے؟

vii۔ دلیل سے کیا مراد ہے؟

viii۔ مقدمہ کسے کہتے ہیں؟

ix۔ اروِنگ کوپی (Irving Copi) کی مشہور زمانہ کتاب کا کیا نام ہے؟

x۔ نسبتِ حکمیہ کا مفہوم کیا ہے؟

xi۔ کس طرح ایک دلیل کا مقدمہ کسی دوسری دلیل کا نتیجہ ہوسکتا ہے یا پھر ایک دلیل کا نتیجہ کسی دوسری دلیل کا مقدمہ ہوسکتا ہے۔ مثال دیں؟

xii۔ مادی سچائی اور صوری سچائی میں بنیادی فرق کیا ہے؟

xiii۔ موضوع اور محمول سے کیا مراد ہے؟

xiv۔ ریاضی کے اصول اولیہ کا تعلق سچائی کی کون سی قسم سے ہے؟

xv۔ نطق (Logos) کے لغوی معنی کیا ہیں؟

سوال 2: تفصیلاً جواب دیں:

i۔ منطق سے کیا مراد ہے اس کا دائرہ کار بیان کیجئے؟

ii۔ قضیہ کسے کہتے ہیں اور دلائل کی وضاحت کیجئے؟

iii۔ عمل استخراج میں مقدمات اور نتائج کی مثالوں سے وضاحت کیجئے؟

iv۔ منطق استخراجیہ اور منطق استقرائیہ کا اس طرح تفصیلی جائزہ لیجئے کہ فرق بیان ہوجائے؟

v۔ صحت اور سچائی کا مفہوم مختلف مثالوں سے واضح کیجئے؟

معروضی طرز (Objective Type)

سوال 3: ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں:

i۔ اگر نتائج حقائق کے مطابق ہوں تو اس عمل اور طریقہ کار کو کہتے ہیں۔

ا۔ منطق طریقہ کار   ب۔ معیاری طریقہ کار   ج۔ جزدی طریقہ کار   د۔ عملی طریقہ کار

ii۔ معیاری علوم تعداد میں ہوتے ہیں۔

ا۔ ایک   ب۔ دو   ج۔ تین   د۔ چار

iii۔ منطق ایک علم ہے۔

ا۔ علمی   ب۔ معیاری   ج۔ وضاحتی   د۔ سائنسی

iv۔ منطق وہ معیاری علم ہے جس میں فکر کی صحت کے بارے میں کی جاتی ہے۔

ا۔ تبدیلی ب۔ تنسیخ ج۔ جانچ پڑتال د۔ نفی

v۔ منطق کے بنیادی اصول وضوابط کی ابتداء کس یونانی فلسفی نے کی۔

ا۔ فیثاغورث ب۔ سقراط ج۔ افلاطون د۔ ارسطو

vi۔ ریاضیاتی منطق (Mathematical Logic) کے مصنف ہیں۔

ا۔ برٹرینڈرسل ب۔ ہابس ج۔ ہیگن د۔ جے۔ایس۔مل

vii۔ اے۔آر۔لیسی نے ڈکشنری مرتب کی ہے۔

ا۔ فلاسفی کی ب۔ اردو کی ج۔ انگریزی کی د۔ ریاضی کی

viii۔ جب استدلال یا استنتاج کو الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے تو اُسے کہتے ہیں۔

ا۔ سچائی ب۔ حکم ج۔ دلیل د۔ قیاس

ix۔ فکری لحاظ سے منطق کی اقسام ہیں۔

ا۔ چار ب۔ تین ج۔ پانچ د۔ دو

x۔ منطق استخراجیہ میں نتائج کا تعلق کن سے ہوتا ہے۔

ا۔ مقدمات ب۔ حاصلات ج۔ اعمال د۔ ضروب

xi۔ منطق استخراجیہ میں مقدمات کی کون سی حالت دیکھی جاتی ہے۔

ا۔ ابتدائی ب۔ صوری ج۔ انتہائی د۔ مادی

xii۔ منطق استقرائیہ میں مقدمات کی کون سی حالت دیکھی جاتی ہے۔

ا۔ وقتی ب۔ اساسی ج۔ صوری د۔ مادی

xiii۔ صوری صحت میں دیکھا جاتا ہے کہ قضیے میں نہ پائی جائے۔

ا۔ خودتردیدی ب۔ خودآزمائی ج۔ خودکاری د۔ خودکلامی

xiv۔ مادی سچائی میں دیکھا جاتا ہے کہ قضیے مطابقت رکھتے ہوں۔

ا۔ حقائق سے ب۔ اپنے آپ سے ج۔ جدید فکر سے د۔ عمل سے

xv۔ علم منطق میں جس طرح کے مقدمات ہوں گے اُسی طرح کے ہوں گے۔

ا۔ اعمال ب۔ استدلال ج۔ نتائج د۔ انتظام

نوٹ: ان سوالات کا حل صفحہ نمبر 117 پر دیکھیے۔

باب 2

زبان
(Language)

زبان بطور آلہ (Language as an instrument)

لوگوں کے درمیان رابطے کے لئے زبان سب سے اہم، بڑا اور بنیادی آلہ ہے۔ زبان ایک ایسا وسیلہ ہے جس کی مدد سے ابلاغ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لکھی اور بولی جانے والی ہر زبان الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان الفاظ کے اشتراک سے ہی فقرات بنتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لفظ سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ جان ہاسپر (John Hosper) کا خیال ہے کہ فقرات کی شناخت پر توجہ دی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ''لفظ'' دراصل زبان کی چھوٹی سے چھوٹی اکائی ہے۔ مثلاً انگریزی کے لفظ ''CAT'' کے معنی ہیں ''بلی''۔ لیکن اس لفظ کی ساخت میں شامل حروف ''C''، ''A'' اور ''T'' کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ حروف کے چند ایک خصوصی مفہوم کے علاوہ معنی کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مثلاً انگریزی کے حرف ''A'' کو بعض اوقات ''ایک'' کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ بعض الفاظ دیگر الفاظ کے مرکب ہوتے ہیں لیکن ان کا لفظی مطلب وہ نہیں ہوتا جو بظاہر اس مرکب میں نظر آرہا ہوتا ہے۔

زبان ابلاغ کے لئے ایک آلہ اور وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ الفاظ اس کی وہ بنیادی اکائیاں ہیں جو فقرات بنا کر مفہوم پیدا کرتی ہیں۔ بولتے وقت الفاظ میں آواز بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ الفاظ میں صرف آواز یا شور ہی پایا جاتا ہے یا اس کے معنی اور مفہوم کی وجہ شناخت ہوتی ہے۔ جس طرح بولنے سے الفاظ میں آواز پیدا ہوتی ہے اسی طرح لکھنے سے الفاظ کاغذ پر نشانات کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ بولے اور لکھے ہوئے الفاظ کے معنی ہوتے ہیں۔ لکھے ہوئے الفاظ جب نشانات کی حیثیت اختیار کر کے معنی رکھتے ہیں تو اس سے منطقی طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ نشانات (Signs) اور علامات (Symbols) کے بھی معنی ہوتے ہیں۔ الفاظ کی زبان کے علاوہ نشانات اور علامات کی بھی زبان ہوتی ہے۔ نشانات اور علامتوں کی زبان بھی الفاظ کی زبان کی طرح معنی رکھتی ہے لیکن یہ بولی اور لکھی نہ بھی جائے تو بھی جسمانی اشاروں سے مفہوم و معنی پیدا کئے جاتے ہیں اس کو بعض اوقات جسمانی زبان (Body Language) کا نام دیا جاتا ہے۔ جسمانی زبان اپنی اہمیت اور ضرورت کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ بعض اوقات یہ الفاظ کی زبان سے زیادہ بامعنی اور طاقتور ہوتی ہے۔

تمام الفاظ کے معنی تو ہوتے ہیں لیکن تمام معنی الفاظ نہیں ہوتے مثلاً ریاضی کی علامتیں معنی تو رکھتی ہیں لیکن یہ الفاظ نہیں ہوتیں۔ ریاضی کی علامتیں الفاظ نہ ہونے کے باوجود الفاظ کی جگہ استعمال ضرور ہوتی ہیں اس کی کئی ایک مثالیں ہیں۔ بادل بھی گہرے نشانات کی صورت ظاہر ہوتے ہیں۔ خاص گہرے سیاہی مائل بادل اس بات کی علامت ہوتے ہیں۔ کہ بارش ہونے

والی ہے۔ بیرومیٹر پر ہوا کا دباؤ کم دکھائی دے تو ماحول میں درجۂ حرارت کی کمی کا پتہ چلتا ہے۔

چرچ میں بجنے والی گھنٹیاں عبادت کا وقت بتاتی ہیں یا گھنٹیوں کی آواز سکول لگنے، پیریڈ تبدیل ہونے اور چھٹی کی اطلاع دیتی ہے۔ یہ سب علامتوں کی زبان ہی تو ہے جن کے ظاہر ہونے سے ہم متعلقہ معنی تلاش کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی کراہ رہا ہو تو ہم اس کے درد محسوس کرنے کا سمجھ جاتے ہیں اور اگر کوئی چیخ و پکار کر رہا ہو تو ہم سمجھ جاتے ہیں کہ وہ کسی مشکل میں ہے اور مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ ریت پر پاؤں کے خاص نشانات دیکھ کر ہم اندازہ لگا لیتے ہیں کہ صحرائی ریچھ کا ادھر سے گزر ہوا ہے۔ کسی گھر کی دیواروں پر مٹی، جھنکے اور جالے دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس گھر کو کافی عرصہ سے صاف نہیں کیا گیا۔ یہ تمام علامات کی زبان کی زندہ مثالیں ہیں ان میں کہیں بھی الفاظ استعمال نہیں ہوئے لیکن معنی دکھائی اور سجھائی دیتے ہیں۔ ان تمام اشیاء کو جو الفاظ نہ ہوتے ہوئے بھی معنی رکھتی ہوں نشانات یا علامات کہتے ہیں۔

بعض اوقات حروف یا الفاظ کسی دوسری شے کی جگہ لے لیتے ہیں۔ ایسے الفاظ کو مروجہ نشانات (Conventional Signs) کہتے ہیں۔ ان مروجہ نشانات کو رواجی، رسمی، رواجی اور تقلیدی طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ مروجہ نشانات عموماً قدرتی نشانات (Natural Signs) کی جگہ لے لیتے ہیں۔ جب گہرے سیاہ بادل آسمان پر دکھائی دیں تو ہم سمجھ جاتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ بارش ہونے والی ہے اور بادل اور بارش کے درمیان پیدا ہونے والے اس تعلق نے بادلوں کو بارش کے نشانات میں تبدیل کر دیا ہے۔ ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ زبان انسان کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ انسان کے علاوہ حیوانات بھی زبان سے استفادہ کرتے ہیں۔ حیوانات کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ وہ بغیر کوئی قاعدہ یا کتاب پڑھے ایک دوسرے کی زبان کا مفہوم سمجھ لیتے ہیں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ زبان ہمیں مفہوم، مقصد اور خیال سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

زبان کی اہمیت و ضرورت (Need and Importance of Language)

استعمال کے لحاظ سے زبان کی بے حد اہمیت ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر زبان کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ زبان کی اس ضرورت و اہمیت کا اندازہ درج ذیل نکات سے لگایا جا سکتا ہے۔

1۔ مدعا بیان کرنا
2۔ تفہیم ہونا
3۔ علم کی منتقلی
4۔ تہذیب کا تحفظ
5۔ ثقافت کا جاننا
6۔ خیال نکالنا
7۔ اطلاعات پہنچانا
8۔ معاشی پہلو
9۔ معاشرتی تبدیلی ہونا
10۔ تعلیم و تربیت اور جدید علوم سیکھنا
11۔ انفرادی و اجتماعی ترقی

1۔ مدعا بیان کرنا

زبان کی اہمیت، ضرورت اور ماہیت کے اعتبار سے سب سے اہم اور ضروری خوبی یہ ہے کہ زبان کے ذریعے مدعا بیان کیا جاتا ہے کوئی شخص کسی دوسرے تک کسی بھی نوعیت کا پیغام پہنچانا چاہتا ہے تو وہ کسی نہ کسی زبان کا سہارا ضرور لے گا یا یوں سمجھئے کہ جس طریقہ کار یا انداز سے اپنا نقطۂ نظر، پیغام یا مدعا بیان کیا جاتا ہے اسے زبان کہتے ہیں۔ زبان ایک ایسا وسیلہ ہے جو پیغام رسانی کا کام دیتا ہے۔

ہر ذی روح جو بھی سوچنے سمجھنے کی کسی بھی درجے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ کچھ نہ کچھ کہنا ضرور چاہتا ہے۔ زبان کا کوئی بھی انداز یا طریقہ اپنایا جا سکتا ہے لیکن اس میں اصل مقصد اپنی بات کو آگے پہنچانا ہوتا ہے۔ مدعا بیان کرنا یقیناً ہر کسی کا بنیادی حق اور ضرورت ہوتی ہے۔ اپنی خواہشات اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے زبان ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ جب تک کوئی اپنی خواہش وضرورت بیان نہیں کرے گا اس وقت تک یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

جانوروں میں بھی زبان کے ذریعے اپنی خواہشات وضرورتوں کو بیان کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ وہ بلا روک ٹوک زبان کا استعمال جاری رکھتے ہیں۔ انسان بھی زبان ہی سے اپنی بات آگے بڑھاتے ہیں۔ زبان دانی بھی اس لیے سیکھتے ہیں تاکہ مدعا بیان کرنے کے لیے بہتر طریقہ اپنایا جا سکے۔

2۔ تفہیم ہونا

زبان کی اہمیت وضرورت میں یہ خوبی بھی پنہاں ہے کہ مشکل سے مشکل اور آسان سے آسان بات کو بیان کرتے ہوئے تفہیم کے مراحل طے کیے جاتے ہیں۔ مشکل الفاظ مترادفات، فکر اور نقطۂ نظر کی وضاحت بھی زبان ہی سے ممکن ہوتی ہے۔

زبان ایک ایسا آلہ ہے جس سے مشکل اصطلاحات، تفکرات اور مسائل سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ بعض اوقات ایسے مراحل بھی آتے ہیں کہ کسی ایک زبان میں بیان کردہ فکری مسائل کی تفہیم کسی دوسری زبان میں درکار ہوتی ہے۔ یہ کام ترجمہ سے پورا کیا جاتا ہے۔ کسی ایک زبان میں دیا گیا فکر دوسری زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے جس سے تفہیم کے مراحل طے ہوتے ہیں۔ گویا تفہیم بھی کسی ایسی زبان میں ہوتی ہے جو قاری یا سامع کی سمجھ والی زبان ہو۔ خواہ بنیادی مسائل ہوں یا انتہائی اعلیٰ درجے کے ان سب کو سمجھنے کے لیے کسی نہ کسی وسیلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ وسیلہ زبان ہی ہے جس سے سمجھ بوجھ یا تفہیم ہوتی ہے۔

3۔ علم کی منتقلی

وقت کے ساتھ ساتھ علم ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔ وقت زیادہ گزر جائے تو وسیلہ زبان بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس طرح نئی نسل کو دوسری زبان کا علم نئی بننے والی زبان میں منتقل کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اقوام عالم ایک دوسرے کے علوم وفنون سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ اس میں بھی دوسری قومیں نئی زبانیں سیکھتی ہیں جس سے زبانوں کے ساتھ علم وادراک بھی منتقل ہو جاتا ہے لہٰذا زبان ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی مدد سے علم ایک قوم یا زمانے سے دوسری قوم یا زمانے کو منتقل ہوتا ہے۔

4۔ تہذیب کا تحفظ

تہذیب وتمدن کا تحفظ ترویج وترقی اور ارتقاء بھی کسی زبان ہی سے ممکن ہے۔ کتاب، سی ڈی یا دیگر ذرائع سے مواد ریکارڈ کر لیا جاتا ہے اس طرح تہذیب کو محفوظ کرنے اور نئی نسل کو متعارف کرانے میں بھی زبان ہی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ تہذیب کتنی ہی پرانی کیوں نہ ہو زبان اسے زندہ وتازہ رکھتی ہے۔ تہذیب وتمدن کو صدیوں تک محفوظ کرنے کا واحد ذریعہ زبان ہے۔

5۔ ثقافت کا جاننا

ثقافت کی حقیقت، تعارف اور تبدیلی بھی زبان ہی سے ممکن ہوتی ہے۔ ثقافت چونکہ کسی قوم کے رہن سہن، علم، آبادی، تہذیب، لباس اور زبان کا تانا بانا ہوتی ہے اس لیے اس میں ہر پہلو سے زبان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

زبان ہی ثقافت کا تعارف اور وضاحت کرتی ہے زبان ہی کی مدد سے ایک ثقافت کے لوگ دوسری ثقافت اپنانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اس جدیدیت کے دور میں ثقافتی سرگرمیاں اپنے عروج پر ہیں ان کو زبان ہی نے پروان چڑھایا ہے۔ زبان انسانی زندگی کے ثقافتی پہلو کو بہتر انداز میں اجاگر کرتی ہے۔ جس سے یہ طاقتور انداز سے آگے بڑھتا جاتا ہے۔ زبان ثقافت میں رنگ بھر دیتی ہے۔ اگلی نسل، قوم اور زمانے کو زبان ہی کی مدد سے ثقافت منتقل کی جاتی ہے گویا زبان وہ وسیلہ ہے جو ثقافتی امتزاج حاصل میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

6۔ غبار نکالنا

شدید احساس سے ہیجان کی ابتداء ہوتی ہے اور جس وقت انسان ہیجان کی حالت میں ہوتا ہے وہ اس ہیجان کا اخراج چاہتا ہے۔ خوشی یا غصہ کے ہیجانات میں دل کی بھڑاس نکالنا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ یہ عمل بھی کسی نہ کسی زبان کی مدد سے پورا کیا جاتا ہے۔ انسان غبار نکالنے کے لیے زبان کو آلے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ رونا، ہنسنا، چیخنا، زور زور سے بولنا یا مختلف انداز کی حرکات کرنا سب زبان ہی کے طور طریقے ہیں جن کے ذریعے سے غبار نکالا جاتا ہے۔

مختلف واقعات انسانی ذہن پر بوجھ کا باعث بنتے ہیں جس سے انسانی دماغ بوجھل ہو جاتا ہے۔ اس بوجھ یا غبار کو نکالنے کے لیے زبان اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس غبار نکالنے کے عمل سے انسان آسانی محسوس کرتا ہے۔ مدعا بیان کرنا، دل کی بھڑاس اور غبار نکالنا صرف زبان ہی سے ممکن ہوتا ہے۔

7۔ اطلاعات پہنچانا

مختلف واقعات کی لڑی کو تاریخ کہا جاتا ہے۔ کوئی بھی واقعہ جب رونما ہوتا ہے تو تجربہ اور مشاہدہ کرنے والا اس کو آگے بیان کرتا ہے اس طرح وہ فوری طور پر ابتدائی معلومات دوسروں تک پہنچاتا ہے اس میں بھی زبان ہی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ کسی بھی واقعہ یا حادثہ سے متعلق ابتدائی اور انتہائی، ہر طرح کی اطلاعات زبان ہی سے آگے پہنچائی جاتی ہیں۔

اطلاعات پہنچانے کے لیے زبانی اور تحریری طریقہ اپنایا جاتا ہے جس سے ایک فرد یا قوم سے دوسرے فرد یا قوم کو باخبر رکھا جاتا ہے۔

ریڈیو، ٹی وی، فون، اخبارات، میگزین اور دیگر ذرائع ابلاغ ہر قسم اطلاعات بہم پہنچاتے ہیں لیکن ان سب میں زبان ہی استعمال کی جاتی ہے گویا اطلاعات پہنچانے کے لیے زبان ہی آلۂ کار بنتی ہے۔

8۔ معاشی پہلو

معاشی پہلو سے مراد یہ ہے کہ زبان سیکھ کر انسان اپنے معاشی مسائل حل کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ پر موجود ہو جہاں اس کی بات سمجھنے والا کوئی نہ ہو تو وہ اپنا مدعا بیان نہیں کر سکتا ہے۔ بنیادی ضروریات پوری نہیں کر سکتا ہے۔ اس لیے معاشی مسائل کا دیگر عوامل کے علاوہ زبان بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ حساب کتاب جمع تفریق کی اپنی زبان ہے۔ اس لیے یہ کہنا انتہائی مناسب ہے کہ زبان معاشی پہلوؤں کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ الفاظ کے ساتھ ساتھ ہندسوں کی بھی ایک زبان ہوتی ہے۔ ہندسوں کی اس زبان سے معاشی مسائل حل کیے جاتے ہیں۔ ملازمت، روزگار اور دیگر پیشہ ورانہ کام کر کے اپنے معاشی مسائل کی تشفی کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ زبان ہی کی مدد سے ممکن ہوتا ہے۔

9۔ معاشرتی تبدیلی

زبان کی اہم خوبیوں میں سے یہ بھی ایک خوبی ہے کہ اس کی مدد سے معاشرے میں مثبت یا منفی تبدیلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ معاشرتی تبدیلی سے مراد معاشرہ جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ علوم و فنون سیکھے جا سکتے ہیں۔ تاریخ، روایات اور وراثت سے مدد لی جا سکتی ہے۔ یہ سب کچھ زبان ہی سے ممکن ہو سکتا ہے۔

کسی ایک معاشرے کے اصول و ضوابط کسی دوسرے معاشرے میں زبان کی مدد سے پہنچتے ہیں۔ مختلف النوع کہانیوں، نظموں، غزلوں اور دیگر اصناف ادب سے معاشرے میں تبدیلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ معاشرتی تبدیلی کی بنیاد تعلیم پر مبنی ہوتی ہے۔ تعلیم میں زبان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے اور تعلیم کسی نہ کسی زبان میں دی جاتی ہے۔ زبان معاشرے کو یکسر بدلنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے کیونکہ زبان ہی وہ وسیلہ ہے جس کی مدد سے معاشرے پروان چڑھتے ہیں۔

10۔ تعلیم و تربیت اور جدید علوم سیکھنا

دنیا روز بروز ترقی کی طرف گامزن ہے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت، ان کی نشوونما اور پرورش کے لئے نہایت ضروری ہے کہ کسی نہ کسی تعلیمی ادارے میں ان کی تعلیم و تربیت کی جائے اور یہ بات نہایت اہم ہے کہ تعلیم و تربیت کا انحصار بھی زبان پر ہے۔ دنیا کا کوئی علم ایسا نہیں ہے جو زبان کے بغیر ممکن ہو سکے۔ زبان خواہ اشاروں کی ہی کیوں نہ ہو آخر زبان ہوتی ہے۔ تعلیم و تربیت ہمیشہ زبان کی مرہونِ منت ہے۔ گونگے بہرے اور دیگر مسائل کا شکار بچے ہمیشہ کسی نہ کسی زبان ہی کی وجہ سے تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں۔ اشارے، علامتیں، الفاظ غرضیکہ ہر وہ شے جو زبان کا کام کرے تعلیم و تربیت میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ بچے کی ابتدائی تعلیم سے اعلیٰ تعلیم تک زبان ہی ایک آلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

زبان ہی کی مدد سے جدید علوم سیکھے جا سکتے ہیں۔ جدید علوم وقت کا اہم تقاضا ہیں۔ ان کی بنا پر دنیا میں سائنسی ترقی ہوتی ہے۔ قدیم یا جدید علوم ہمیشہ کسی نہ کسی زبان ہی میں بیان کئے گئے ہیں۔ زبان خواہ کتاب کے لئے استعمال میں لائی جائے یا کمپیوٹر سی ڈی میں محفوظ ہو جدید علوم جاننے کے لئے وسیلہ بنتی ہے۔ الجبرا اور ریاضی میں استعمال ہونے والی علامتوں کی بھی اپنی

ایک زبان ہوتی ہے اس لئے یہ کہنا مناسب ہے کہ جدید علوم سیکھنے کے لئے کسی نہ کسی زبان ہی کی وجہ سے ممکن ہو سکتا ہے۔ جدید دور میں جدید علوم سیکھنے کے لئے نئی زبان تشکیل پاتی ہے۔

11۔ انفرادی و اجتماعی ترقی

ہر شخص ہر وقت ترقی کا خواہاں ہوتا ہے۔ ترقی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی ہمیشہ کسی نہ کسی زبان کی وجہ سے ہوتی ہے کسی شخص نے کوئی تربیت حاصل کرنی ہو، کوئی کورس مکمل کرنا ہو، کوئی سرٹیفکیٹ، یا ڈگری حاصل کرنی ہو، سب میں زبان کو دخل ہے۔ اجتماعی ترقی سے مراد قوموں کی ترقی ہے۔ کوئی قوم بھی بغیر جدید علوم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے ترقی نہیں کر سکتی۔ یقیناً یہ کسی نہ کسی زبان میں ہی ہوگی۔ پاکستان، جاپان، چین، جرمن غرضیکہ کوئی بھی ملک ہو ہر جگہ انفرادی یا اجتماعی ترقی زبان ہی سے ہوتی ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے ملک میں جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہے تو سب سے پہلے اس ملک کی زبان ضرور سیکھے گا۔ ورنہ وہاں جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

زبان کے اہم استعمال
(The Important uses of Language)

زبان کے مختلف استعمال ہیں۔ ہم ضرورت کے تحت زبان اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں اور کبھی ایسا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ زبان کے فائدے کیا ہیں؟ مقاصد کیا ہیں؟ یا استعمال اور مصارف زبان کون کون سے ہیں؟ ان سب کا ایک ہی مفہوم ہے کہ زبان کو کس ضرورت کے تحت استعمال میں لایا جاتا ہے۔ مشہور منطقی (Logician)، لڈوگ وٹگن سٹائن (Ludwig Wittgenstein) نے اپنی کتاب "فلسفیانہ تحقیقات" (Philosophical Investigations) میں لکھا ہے کہ زبان کے لاتعداد استعمال ہوتے ہیں۔ جنھیں ہم "اشارات" "الفاظ" اور "فقرات" کہتے ہیں۔ مختلف مثالوں سے وٹگن سٹائن نے اپنی بات کی وضاحت کی ہے جیسے کہ احکامات دینا، کسی شے کے ظہور کا بیان کرنا، یا اس کی پیمائش کرنا، کسی واقعہ کی رپورٹ کرنا، کسی واقعہ پر رشک کرنا، مفروضے بنانا اور ان کی جانچ پڑتال کرنا، کسی تجربہ کے نتائج کو گوشوارے اور جدول میں پیش کرنا، قصہ خوانی، اداکاری، سنگیت، گھڑ سواری کا اندازہ لگانا، لطیفہ بازی اور لطیفہ گوئی، عملی حساب میں کسی مسئلے کو حل کرنا، ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا، پوچھنا، سوچنا، دشنام طرازی، چاہنا اور دعا دینا سب کچھ صرف اور صرف زبان ہی کی وجہ سے ممکن ہو سکتا ہے۔ وٹگن سٹائن نے زبان کو ایک اہم ذریعہ اور آلہ کے طور پر بیان کیا ہے۔ جائزہ لیا جائے تو عمومی طور پر زبان کے درج ذیل تین اہم استعمال ہیں۔

1۔ اطلاعاتی (Informative) 2۔ اظہاراتی (Expressive) 3۔ ہدایاتی (Directive)

1۔ اطلاعاتی (Informative)

زبان کا سب سے اہم اور ضروری استعمال کسی دوسرے کو اطلاع بہم پہنچانا ہے۔ جب تک بتایا نہ جائے تو اس وقت

تک کسی علم یا خبر کی اطلاع آگے کیسے پہنچے گی۔ زبانی، تحریری یا کسی بھی ذریعہ یا وسیلہ سے زبان کا استعمال کر کے مختلف نوعیت کی اطلاعات آگے پہنچائی جاتی ہیں۔ زبان کوئی بھی ہو الفاظ پر مشتمل اشاروں یا نشانات پر مبنی سب کا ایک ہی اہم مقصد ہے کہ سب سے پہلے معلومات کی اطلاع فوری طور پر کسی دوسرے تک پہنچائی جائے۔

آج کل کے جدید دور میں ابلاغیات واطلاعات کا دور دورہ ہے ہر کوئی جاننے کے عمل سے گزرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے زبان کا سہارا لیا جاتا ہے۔ زبان ہی وہ آلہ ہے جس کی مدد سے ابلاغیات (Communication) کے مراحل طے ہوتے ہیں۔ اگر تصور میں لایا جائے کہ واقعات ہو رہے ہوں لیکن کوئی ایسا وسیلہ موجود نہ ہو جو خبر یا اطلاع دینے کا سبب بنے تو ان واقعات کی حیثیت عارضی اور علاقائی رہ جاتی ہے۔ اگر اطلاعات نہ ملیں تو تحقیقی، علمی اور فکری کسی بھی نوعیت کا کام ممکن نہیں ہوسکتا۔

زبان ہی کی مدد سے قرب وجوار اور دور دراز علاقوں تک رسائی ہوتی ہے۔ ریڈیو، ٹی وی، وائر لیس، ٹیلی فون، موبائل فون، فیکس اور کسی بھی دیگر ذریعہ سے اطلاعات بہم پہنچانے کا وسیلہ صرف زبان ہی ہے۔

اطلاعات پہنچانے کے لیے زبان ہی کا استعمال ہوتا ہے۔ زبان ہی کی وجہ سے ہم کسی بات کو مانتے یا رد کرتے ہیں۔ کسی جملے کا اقرار یا انکار صرف اور صرف زبان ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔ جب ہم اطلاع کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ساتھ ہی غلط اطلاع کا بھی ذکر ہوتا ہے یعنی غلط جملہ اسی طرح ہے جیسے صحیح جملہ ہوتا ہے۔

اگر کوئی سائنس دان کامیابی کے ساتھ کوئی نیا نظریہ پیش کرتا ہے یا پھر کوئی نئی ایجاد کرتا ہے تو وہ بھی بیان کرنے کے لئے کسی زبان کا سہارا لیتا ہے۔ مثلاً آئزک نیوٹن (Issac Newton) اور البرٹ آئین سٹائن (Albert Einstein) کے نظریات انگریزی زبان میں پوری دنیا کو بیان کئے گئے۔

کوئی عمل کرنے کے بعد اس کی اطلاع بھی کسی نہ کسی زبان میں دی جاتی ہے۔ مثلاً نیل آرم سٹرانگ (Neil Armstrong) نے سب سے پہلے چاند پر قدم رکھا۔ اس کے اس عمل کی اطلاع بھی عوام الناس کو الفاظ وفقرات میں دی گئی۔

کسی واقعہ، حادثہ، نظریہ، عمل اور سوچ وبچار یا کوشش کو کسی زبان ہی میں بیان کیا جاتا ہے کیونکہ فکر بغیر زبان کے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

فی زمانہ اطلاعاتی تکنیک (Information Technology) کا بڑا زور شور ہے۔ کوئی ایسا علم نہ ہوگا جس کی معلومات انسٹرکشنل ٹیکنالوجی (Instructional Technology) سے حاصل نہ کی جاتی ہوں۔ انہی اطلاعات ہی نے دنیا کو گلوبل ویلج (Global Village) بنا دیا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی واقعہ کسی جگہ ہو جائے اس کی اطلاع چند ثانیے میں خبر رساں ایجنسیاں دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیتی ہیں۔ یہ سب کچھ زبان ہی سے ممکن ہوتا ہے۔ زبان خواہ تحریری ہو یا تقریری یا الفاظ کے بغیر اشاراتی زبان سب کا اہم اور بنیادی مقصد اطلاع پہنچانا ہی ہوتا ہے۔ علم کی ابتدا بھی اطلاع ہی سے شروع ہوتی ہے۔

اطلاع ہی بعد میں علم اور پھر تعلیم وتربیت کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ اطلاع صرف موجودہ واقعات ہی کی نہیں ہوتی بلکہ تاریخی اعتبار سے ماضی قریب اور ماضی بعید کے ہر طرح کے واقعات، حادثات اور عوامل کی بھی اطلاع ہوتی ہے۔

زبان کے اس اطلاعاتی پہلو میں اہمیت کے لحاظ سے خصوصی پیغامات پنہاں ہوتے ہیں ذرائع ابلاغ اس کمی اور ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔

2۔ اظہاراتی (Expressive)

زبان کے اس دوسرے استعمال میں کوئی شخص اپنی خواہشات، چاہتیں، احساسات اور جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ شاعر اپنے جذبات، احساسات تجربات اور مشاہدات کا اظہار اپنی شاعری کے ذریعے کرتا ہے۔ شاعری یقیناً کسی نہ کسی زبان میں کی جاتی ہے۔ مثلاً مرزا اسداللہ غالب نے کہا تھا۔

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیابان میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

اسی طرح مجید امجد نے اظہار خیال کچھ یوں کیا ہے کہ:

کٹی ہے عمر بہاروں کے سوگ میں امجد
مری لحد پہ کھلیں جاوداں گلاب کے پھول

برصغیر پاک وہندوکے مشہور شاعر ساحر لدھیانوی نے خوبصورت انداز میں اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا ہے کہ:

یہ چمن زار یہ جمنا کا کنارہ یہ محل
یہ منقش در و دیوار یہ محراب یہ طاق
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

عظیم شاعر، مفکر علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی شعری تصنیف ''پیامِ مشرق'' کی نظم ''محاورہ مابین خدا وانسان'' میں بہت ہی معنی خیز انداز میں انسان کا خدا سے مکالمہ لکھا ہے۔

تو شب آفریدی چراغ آفریدم — سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی — خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

(ترجمہ: تُو نے رات بنائی میں نے چراغ بنایا۔ تُو نے مٹی پیدا کی میں نے اُس سے پیالہ بنالیا۔ تُو نے صحرا، پہاڑ اور جنگل پیدا کئے میں نے کیاری اور پھلواری اور باغ بنائے۔ میں وہ ہوں جو پتھر سے آئینہ بنالیتا ہوں، میں وہ ہوں جو زہر سے

مشروب (پینے کی چیزیں) بنالیتا ہوں۔

شاعری کے ذریعے شاعر اپنے تاثرات، خیالات اور جذبات کی عکاسی کرتا ہے اور یہ سب کچھ بھی زبان ہی کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔

زبان کے اظہاراتی استعمال میں صرف شاعری کا ہی ذکر نہیں ہے بلکہ کوئی انسان کچھ بھی بیان کرتا ہے تو اس کا ایک اظہاراتی اور استحضاراتی پہلو ہوتا ہے۔ اس میں شاعر اپنے جذبات بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی قاری کے جذبات کو اجاگر بھی کرتا ہے۔

زبان کا تمام اظہاراتی استعمال صرف شاعری ہی سے ممکن نہیں بلکہ مختلف انداز سے انسان زبان کا اظہاراتی استعمال کرتا ہے۔ مثلاً ان فقرات کو غور سے پڑھیئے۔

"یہ بہت بری بات ہے۔" "بڑا افسوس ہے۔"

اسی طرح "خوفناک" "بہت خوب" یہ الفاظ پورے فقرات کے معنی اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ بیان پر منحصر ہے کہ ان الفاظ کو کیسے پیش کیا جاتا ہے۔

کوئی پوجا کرنے والا یا دعا مانگنے والا بھی اپنے مسائل، پریشانیوں اور مشکلات کا اظہار کسی زبان ہی میں کرتا ہے۔

زبان کے اس دوسری قسم کے استعمال میں اطلاعات بہم پہنچانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ پیغامات، جذبات، تاثرات، احساسات اور رویوں کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض اوقات زبان کا اظہاراتی استعمال صحیح اور غلط کے پیمانے پر نہیں ماپا جاسکتا ہے مثلاً تعلیمیں، شاباش اور دیگر اظہاراتی طریقے سب صحیح اور غلط یا موزوں اور غیر موزوں کے معیار سے ماورا ہوتے ہیں۔ ماں اپنے بچے سے جس محبت اور خلوص سے پیش آتی ہے وہ ماں کی ممتا کے اظہاراتی پہلو کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ماں کا بغیر بولے اپنے بچوں سے پیار کرنا بھی اظہاراتی انداز ہے۔ بعض اپنے بھائیوں، باپ اپنے بچوں سے جس انداز میں پیش آتے ہیں وہ یقیناً ان کا اظہاراتی انداز ہی ہوتا ہے۔ زبان وہ ابتدائی آلہ ہے جو ہر ذی روح کے اظہار کا ذریعہ بنتا ہے۔

3۔ ہدایاتی (Directive)

زبان کے ہدایاتی استعمال میں احکامات، ہدایات اور تجاویز وغیرہ بیان کی جاتی ہیں گویا زبان ہی کے ذریعے سے ہدایاتی طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ کسی کو ہدایت کرنا ہو حکم صادر فرمانا ہو تو یقیناً کسی نہ کسی زبان ہی میں ایسا کیا جاتا ہے کسی بھی عمل کرنے کے لیے جو کچھ کہا جاتا ہے وہ زبان کا ہدایاتی استعمال ہوتا ہے۔ حکم اور التجا دونوں ہدایاتی استعمال کی اہم مثالیں ہیں جب والدین اپنے بچے کو کھانا کھانے سے پہلے منہ ہاتھ دھونے کا کہتے ہیں تو اس میں کوئی اطلاع نہیں دی جارہی ہوتی اور نہ ہی جذبات یا احساسات کی عکاسی کی جاتی ہے بلکہ دھیمے یا سخت لہجے میں کھانا کھانے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ یہ یقیناً زبان کا ہدایاتی پہلو ہے۔ کسی عمل کرنے سے پہلے جو بھی طریقہ کار اپنایا جاتا ہے وہ با معنی انداز ہوتا ہے اور ہدایاتی ہی ہوتا ہے۔ مثلاً ٹکٹ کی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہوکر ٹکٹ بیچنے والے کو پیسے دیتے ہوئے اگر کہیں۔ "جناب دو" تو یقیناً اس کا مطلب ہوتا ہے کہ جناب والا دو ٹکٹ دے دیں۔ اس میں عمل کرنے کے لئے زبان کا بلا واسطہ استعمال ہدایاتی انداز میں کیا گیا ہے۔ گویا ہدایاتی

استعمال میں عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

کسی لفظ کی ادائیگی سے بھی معنی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً پلیز "Please" ایک ایسا بامعنی اور طاقتور لفظ ہے جس کے بارے میں سننے والا خود بخود کوئی معنی اخذ کر لیتا ہے۔ کسی جواب کے لئے سوال تیار کیا جاتا ہے تو یہ بھی زبان کے استعمال کا ہدایاتی پہلو ہے۔ ہدایاتی پہلو میں زبان کے استعمال کو صحیح اور غلط نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً یہ کہنا کہ:

کھڑکی بند کر دیجئے۔

کتابیں سنبھال لیجئے۔

بنیادی طور پر یہ زبان کا ایک ہدایاتی پہلو ہے۔ جس میں کھڑکی کے بند کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کسی حکم کو مانا جائے یا نہ مانا جائے۔ لیکن وہ ہوتا ہدایاتی انداز ہی ہے۔ استدلال یا دلیل بھی زبان کے استعمال کا ہدایاتی پہلو ہے۔

زبان کے استعمال کے اس ہدایاتی پہلو کو مدنظر رکھیں تو ہمیں اپنے اردگرد کئی فقرے سنائی دیتے ہیں جو حکم، ہدایت یا کسی اور انداز سے زبان کے ہدایاتی پہلو ہی کی عکاسی کرتے ہیں۔ روز مرہ زندگی میں ہم ہدایات، احکامات اور فیصلوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمیں الفاظ، فقرات اور مضامین کی صورت میں کسی نہ کسی زبان ہی میں صادر فرمائے جاتے ہیں۔

فوجی افسر اپنے ماتحت فوجیوں کو ہدایاتی طریقے سے احکامات جاری کرتا ہے دوران تربیت اور امن و جنگ کے زمانے میں فوجی ہمیشہ احکامات ہی سنتے رہتے ہیں۔ سرکاری ملازمین کو بھی روزانہ ہدایاتی انداز سے زبانی و تحریری اپنے متعلقہ محکمے کے افسران سے کسی زبان ہی میں احکامات ملتے رہتے ہیں۔

ہدایاتی انداز میں اظہار کا پہلو بھی ہوتا ہے اور اطلاعاتی بھی لیکن ان کی حیثیت احکامات اور ہدایات کی سب سے پہلے ہوتی ہے۔

زبان کے ہدایاتی پہلو کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ روزانہ بول چال میں زیادہ حصہ احکامات ہی کا ہوتا ہے۔ ہم دفتر میں ہوں یا پھر گھر میں رو رہے ہوں، بس، ریل یا جہاز میں سفر کر رہے ہوں یا بازار میں کچھ خرید رہے ہوں یا کسی بھی جگہ ہوں، ہر لمحہ ہمیں ہدایات و احکامات سے واسطہ پڑتا ہے اور یہ ہدایات کسی نہ کسی زبان ہی میں دی جاتی ہیں۔

مشقی سوالات

انشائی طرز (Subjective Type)

سوال 1: مختصر جواب دیں:

i۔ لوگوں کے درمیان رابطے کے لئے سب سے اہم ذریعہ کون سا ہے؟

ii۔ نشانات اور علامات کی بھی زبان ہوتی ہے۔ مثال دیں؟

iii۔ لڈوگ وٹگن سٹائن (Ludwig Wittgenstein) کی تصنیف کا نام بتائیں؟

iv۔ زبان کے اظہاراتی استعمال کی چند مثالیں دیں؟

v۔ کس طرح زبان کے اطلاعاتی استعمال نے دنیا کو گلوبل ولیج (Global Village) بنا دیا ہے؟

vi۔ زبان کے ہدایاتی استعمال کی اہمیت کو ایک مثال کی مدد سے واضح کریں؟

vii۔ جان ہاسپر (John Hosper) کے نزدیک، لفظ سے کیا مراد ہے؟

viii۔ زبان کس قسم کا آلہ ہے؟

ix۔ زبان کی بنیادی اکائی کسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

x۔ سب سے پہلے کس نے چاند پر قدم رکھا؟

سوال2: تفصیلاً جواب دیں:

i۔ زبان بطور آلہ وضاحت کیجیے؟

ii۔ زبان کی اہمیت وضرورت بیان کیجئے؟

iii۔ استعمال کے لحاظ سے زبان کا اطلاعاتی پہلو زیادہ اہم ہے۔ بحث کیجئے؟

iv۔ اظہاراتی یا ہدایاتی استعمال زبان کی وضاحت کیجئے؟

معروضی طرز (Objective Type)

سوال نمبر2: ذیل میں دیے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں۔

i۔ زبان ایک ایسا وسیلہ ہے جو کام آتا ہے۔

ا۔ ابلاغ کے ب۔ سوال کرنے کے ج۔ لکھنے کے د۔ جوڑنے کے

ii۔ زبان کی بنیادی اکائی ہوتی ہے۔

ا۔ لکیر ب۔ لفظ ج۔ دائرہ د۔ آواز

iii۔ بولتے وقت الفاظ میں پائی جاتی ہے۔

ا۔ مٹھاس ب۔ گڑواہٹ ج۔ آواز د۔ خاموشی

iv۔ الفاظ کی زبان کے علاوہ نشانات اور علامات کی بھی ہوتی ہے۔

ا۔ سر ب۔ روزی ج۔ طرز د۔ زبان

v۔ جسمانی زبان (Body Language) میں ہوتے ہیں۔

ا۔ جسمانی اشارے ب۔ اتار چڑھاؤ ج۔ مضامین د۔ نشانات

vi۔ مروجہ نشانات (Conventional Signs) جگہ لیتے ہیں۔

ا۔ علم کی ب۔ قدرتی نشانات کی ج۔ دیکھنے کی د۔ ثقافت کی

vii۔ علامات کی زبان میں استعمال نہیں ہوتے۔

ا۔ نشانات ب۔ اشارے ج۔ الفاظ د۔ اشکال

viii۔ زبان کے اطلاعاتی استعمال میں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔

ا۔ تقاریر ب۔ خدمات ج۔ تہذیب د۔ اطلاعات

ix۔ زبان کے اظہاراتی استعمال میں کیا جاتا ہے۔

ا۔ اظہار ب۔ اشارہ ج۔ فرق د۔ تعبیر

x۔ زبان میں ہدایاتی استعمال میں دی جاتی ہیں۔

ا۔ دعائیں ب۔ ہدایات ج۔ اصطلاحات د۔ تراکیب

باب 3

غیر رسمی مغالطے

(Informal Fallacies)

عقل و دانش سے مسائل حل کرنا انسانی خصلت ہے۔ جو کچھ ماخذ علم سے حاصل کرتے ہیں اسے ادراک یا علم کہا جاتا ہے۔ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم التباس یا وہم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ التباس یا وہم دراصل غلط ادراک ہوتا ہے۔ یہ ہمارے حواس کا دھوکہ یا فریب ہوتا ہے۔ التباس سے بچنے کے لئے ہم تصدیق کا سہارا لیتے ہیں۔ تصدیق ہونے پر غلط ادراک یعنی التباس کے بجائے صحیح علم حاصل ہوتا ہے۔

اگر کسی بھی جملے یا مفروضے میں فرضی یا دانستہ طور پر التباس پیدا کر کے اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی جائے تو اسے مغالطہ کہتے ہیں۔

علم، فکر یا سوچ وبچار میں تحریری یا تقریری انداز سے مغالطے پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ یہی مغالطے چٹکلے و لطائف کی شکل اختیار کر جاتے ہیں لطائف میں بھی کوئی نہ کوئی التباس پیدا کیا جاتا ہے۔ جس میں صورت حال بدل کر واقعہ کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ وہ عمومی حالات سے مختلف نظر آئے۔

لفظوں کا اتار چڑھاؤ، واقعاتی تبدیلی اور کرداروں کے انداز و اطوار کو تبدیل کر کے یا آپس میں گڈ مڈ کر کے ایسی منظر کشی کی جاتی ہے کہ دیکھنے یا سننے والا اس سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس تبدیلی یا منظر کشی سے انسان حیران و ششدر بھی ہوتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس بیان یا صورت حال میں بظاہر کوئی غلطی نہیں ہے لیکن حقیقتاً یہ سب کچھ مغالطے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

اگر حالات بالکل صحیح اور مناسب ہوں علمی اور فکری ماحول ہو۔ لوگ دلائل سے بات کرتے ہوں۔ منطقی گفتگو ہو اور نتائج ہمیشہ مقدمات سے مناسبت رکھتے ہوں تو یہ یقیناً خیالی بستی ہوگی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ ہم ہر وقت کسی نہ کسی الجھن کا شکار ہوتے ہیں۔ اصل کو چھوڑ کر عارضی اور وقتی صورت حال کا شکار ہو جاتے ہیں ایسی صورت پیدا کرنے کے لیے جو اصول کارفرما ہوتے ہیں اور جو طریقہ اپنایا جاتا ہے اسے مغالطہ کہا جاتا ہے۔ یعنی علمی اور فکری انداز میں کوئی ہیر پھیر پیدا کر کے ایک دوسرے کو لاجواب کرنا دراصل مغالطے پیدا کرنا ہی ہوتا ہے۔

بعض اوقات بظاہر استدلال نظر آرہا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس میں کوئی نہ کوئی منطقی اصول کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔ مغالطے میں منطقی اور فکری اصولوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی نہ کوئی غلطی پائی جاتی ہے جو ویسے تو نظر نہیں آتی لیکن غور کرنے پر دکھائی دیتی ہے۔ اس طرح کے غلط اور بے معنی استدلال کو مغالطہ (Fallacy) کہتے ہیں۔ بے معنی

استدلال ہونے کے باوجود مغالطہ بڑی طاقت کا حامل ہوتا ہے۔

افلاطون (Plato) کے خیال میں "لوگوں کی طرح وہ دلائل جو عموماً غلط دعووں پر مبنی ہوں مغالطے کہلاتے ہیں۔"

علم منطق میں دیئے گئے فکر کے اصول کے مطابق صحیح مقدمات ہی سے صحیح نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ غلط انداز اور غلط مقدمات میں سے صحیح نتائج اخذ نہیں کئے جاسکتے۔ اگر کسی وجہ سے ایسا ہو جائے یا ایسا نظر آئے کہ مقدمات سے مطابقت کے بغیر نتائج حاصل کئے گئے ہوں تو اسے مغالطہ کہتے ہیں، لیکن صحتِ فکر کو جانچ کر اس مغالطے کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ جدید منطقی (Logician) اروِنگ کوپی (Irving copi) کے خیال میں" مغالطہ" کسی استدلال میں پائی جانے والی غلطی کو کہتے ہیں جس طرح منطق لفظ مغالطہ کا استعمال کرتے ہیں اس میں استخراج کی غلطی یا غلط یقین نہیں بلکہ مخصوص اغلاط کا نام مغالطہ ہے۔ یہ اغلاط عموعی طور پر دلائل میں پائی جاتی ہیں۔ ہر مغالطہ، غلط دلیل کی ایک قسم ہوتا ہے۔ کسی دلیل میں پائی جانے والی غلطی کا ظاہر ہونا اس مغالطہ کا مرتکب ہونا کہلاتا ہے۔

دلائل کے نظام میں کئی طرح کی غلطیاں پائی جاتی ہیں جس انداز کی اغلاط موجود ہوں گی اسی طرح کا مغالطہ پیدا ہوتا ہے۔

مغالطوں کے مطالعہ کی اہمیت

(Importance of the study of Fallacies)

مغالطہ چونکہ لفظی، فکری یا کسی بھی نوعیت کی ایسی خوابیدہ غلطی کو کہتے ہیں، جو بظاہر نظر نہیں آتی۔ اس لئے ایسی غلطیاں جو نظر نہ آرہی ہوں زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ صحیح نظر آنے والے استدلال میں اگر مغالطہ پایا جائے تو یہ ہمیں کسی وقت دھوکہ دے سکتا ہے۔ چونکہ مغالطے استدلال کی غلطیاں ہوتے ہیں لہذا یہ ان اصول وضوابط کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتے ہیں جو صحیح استدلال کے لئے نہایت ضروری اور لازمی ہوتے ہیں۔

غلطیوں اور دھوکے سے بچنے کے لئے مغالطوں کو جاننے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ جس طرح زیادہ ٹریفک میں گاڑی چلاتے ہوئے ٹریفک قوانین کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ کہ دوسرے گاڑی چلانے والے کیا غلطیاں کررہے ہیں ان غلطیوں سے بھی بچا جائے۔ جب تک ہم ان کی غلطیوں کا تجزیہ، مشاہدہ اور مطالعہ نہیں کریں گے اس وقت تک ان ٹریفک کی غلطیوں سے بچ نہیں سکیں گے۔ مغالطے بھی دوسروں کی پیدا کردہ غلطیاں ہی ہوتی ہیں اس لئے ان سے بچنے کے لئے ان کا تجزیہ، مشاہدہ اور مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ مغالطوں کے مطالعہ کی اہمیت درج ذیل نکات میں بیان کی جاسکتی ہے۔

1۔ مغالطے سے بچنا	2۔ مغالطہ پیدا کرنا	3۔ صحیح استدلال	4۔ غلطی دور کرنا
5 دلیل کو زوردار بنانا	6 فریق ثانی کو لاجواب کرنا	7 نعروں میں استعمال	8 مزاح پیدا کرنا

1۔ مغالطے سے بچنا

مغالطہ ایک تکنیکی بنیاد کی غلطی کا حامل ہوتا ہے جس سے بچنے کے لئے جواباً کوئی تکنیکی طریقہ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ مغالطے کا مطالعہ بے حد ضروری ہے تاکہ کسی گفتگو یا تحریر میں پیدا ہونے والے مغالطے سے بچا جاسکے۔ مغالطے کو جانیں گے تو اس کو دور کریں گے۔ اگر کسی جملے یا پیراگراف میں مغالطے کا پتہ ہی نہ چلے تو اس سے بچا کیسے جاسکتا ہے؟ لہذا مغالطے سے بچنے کے لئے مغالطے کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

وکیل صفائی اگر مغالطے کو جان جائے گا تو فوراً جواباً اپنی دلیل اس طرح پیش کرے گا کہ وہ وکیل استغاثہ کے پیدا کئے گئے مغالطے سے بچ سکے۔ مغالطے کا مطالعہ ہی مغالطے سے بچاتا ہے۔

2۔ مغالطہ پیدا کرنا

اپنی بات کو بہتر، باوزن اور مدلل بنانے کیے لئے وکیل، استاد، واعظ، غرضیکہ گفتگو کرنے والا ہر شخص مغالطہ پیدا کرتا ہے اور یہ اس وقت ممکن ہوسکتا ہے جب کوئی مغالطے کے بارے میں صحیح طور پر جان سکے۔ مغالطہ پیدا کرنا ایک فن ہے۔ اس فن سے واقفیت حاصل کرنا زندگی میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے ضروری ہے۔ دکاندار، مباحث، راہنما، قائد اور کسی بھی شعبۂ زندگی کا سربراہ ہمیشہ مغالطے سے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتا ہے۔ مغالطہ کامیابی کی نشانی ہے۔ انٹرویو دینے والا اور انٹرویو لینے والا دونوں مغالطوں سے کام لیتے ہیں۔ بظاہر وہ سوال وجواب کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً ایک دوسرے کو لاجواب کرنے کے لئے کسی نہ کسی مغالطے کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ جو جتنے زیادہ مغالطے پیدا کرلیتا ہے وہ اتنا زیادہ کامیاب ہوجاتا ہے۔ مقالہ یا ملازمت کے لئے انٹرویو دیتے ہوئے امیدوار مختلف حوالوں اور طریقوں سے سماں باندھ دیتا ہے۔ انٹرویو لینے والا پیچھے رہ جاتا ہے۔ اس طرح غیر متعلقہ گفتگو کرنے کے باوجود انٹرویو دینے والا مغالطوں کی وجہ سے جیت جاتا ہے۔ اس لئے مغالطہ پیدا کرنا ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

علم، تجربہ، مشاہدہ مشق اور خصوصی توجہ سے مغالطہ پیدا کرنے کا فن سیکھا جاسکتا ہے۔ مقرر ہمیشہ دوسرے مقررین کو نیچا دکھانے اور تقریری مقابلہ جیتنے کے لئے مغالطوں سے مدد لیتا ہے۔ وکیل بحث کے دوران میں اور اس کے بعد جج فیصلہ کرتے ہوئے مغالطوں کا سہارا لیتا ہے اسی لئے متاثرہ فریق کے لئے بھی درخواست میں زوردار فقرات کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ زور صرف اور صرف مغالطوں ہی سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔

3۔ صحیح استدلال

مغالطے کی تعریف استدلال کی غلطی ہے اور جب غلطی کی نشاندہی ہوجائے تو صحیح استدلال قائم کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ مغالطے کا مطالعہ کیا جائے۔ مغالطے کو جانچا جائے۔ جب تک کسی معاملے میں غلطی کی نشاندہی نہ ہوگی اس وقت تک وہ غلطی دور نہیں ہوسکتی۔ مغالطہ ایک غلطی ہوتا ہے۔ اس کو دور کریں تو غلط استدلال سے بچا جاسکتا ہے۔ اس طرح

صحیح استدلال کے لئے مغالطے کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ مغالطہ سے نجات حاصل کر کے ہی صحیح استدلال کی جانب جایا جاتا ہے۔ صرف ونحو کے اصولوں پر عمل کر کے جملے، پیراگراف، اور مضامین کامیابی سے لکھے جاسکتے ہیں۔ اس طرح غلطیوں سے مبرّا مضامین اس وقت ہی لکھے جاسکتے ہیں جب مغالطوں سے نجات حاصل کی جائے۔ لفظی، علمی اور فکری مغالطے دور کر کے صحیح استدلال کیا جاسکتا ہے۔

4۔ غلطی دور کرنا

صحیح استدلال قائم کرنے سے مراد ہی یہی ہے کہ غلطیوں کا پتہ لگایا جاسکے۔ غلطی کا پتہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ مغالطے کو تلاش کرنا۔ مغالطہ چونکہ تحریر وتقریر میں چھپا ہوتا ہے اس لئے اس کا پتہ وہی شخص لگا سکتا ہے جو مغالطوں کا مطالعہ کر کے اس کا صحیح علم رکھتا ہوگا۔ مغالطوں کا مفہوم جانتا ہوگا۔ مغالطوں کا جاننا دراصل اپنی اور دوسروں کی غلطیوں کا پتہ لگانا ہوتا ہے۔

بعض اوقات غلط العام کی مشق کی وجہ سے ہم گفتگو میں غلطیوں کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ہر غلط کو صحیح سمجھ لیتے ہیں لیکن اگر فنِ مغالطہ (Art of Fallacy) سے واقف ہوں تو غلطی کی نشاندہی کر کے اسے دور کیا جاسکتا ہے۔ بعض اوقات ہمیں کوئی دلیل صحیح معلوم ہوتی ہے جبکہ اس میں غلطی کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔ ہمیشہ غلطی کا تجزیہ کرنا چاہیے تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو سکے کہ وہ کیسے پیدا ہوئی ہے؟ اگر ایسا نہ ہو تو پھر غلطی موجود رہے گی۔ اگر ہم یہ معلوم کرلیں کہ دلیل غلط ہے لیکن یہ نہ معلوم کرسکیں کہ وہ دلیل کیوں اور کیسے غلط ہے تو ہم غلطی دور نہیں کرسکتے۔

لہٰذا یہاں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ مغالطوں کے مطالعہ کا سب سے اہم اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ دلیل میں موجود غلطی کا پتہ لگا کر اسے دور کیا جاسکتا ہے۔

5۔ دلیل کو زوردار بنانا

روز مرہ زندگی میں گفتگو کے ذریعے کامیابی سے مقصد حاصل کیا جاتا ہے۔ ابہام، خود تردیدی اور تناقضات سے بچنے کے لئے اپنی دلیل کو زیادہ معتبر بنایا جاتا ہے خواہ وہ دلیل مغالطے پر مبنی ہی کیوں نہ ہو۔ مغالطہ جتنا لطیف ہوگا دلیل اتنی زوردار ہوگی۔ بعض اوقات جوابِ دعویٰ کے لئے مغالطۂ دانستہ پیدا کیا جاتا ہے لیکن بعض اوقات مغالطہ خود بخود منطقی طور پر پیدا ہو جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں دلیل کو زوردار بنانا مقصود ہوتا ہے لیکن اس میں زورداری کا عمل دخل صرف اور صرف مغالطوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مغالطہ جتنا پیچدار اور لطیف ہوگا اتنا ہی خوابیدہ ہونے کی وجہ سے بات یا دلیل کو زیادہ باوزن اور زوردار بنا دے گا۔

مغالطۂ دانستہ یا سفسطہ (Sophism) اور مغالطۂ نادانستہ (Poralogism) دونوں میں مغالطہ پیدا کرنے والے کی نیت کو اگر دیکھا جائے تو مغالطۂ نادانستہ میں اس کی نیت شامل نہیں ہوتی جبکہ مغالطۂ دانستہ میں مغالطہ پیدا کرنے والا خود کوشش کر کے اپنی دانست کے مطابق ایسا کرتا ہے جس میں اس کی نیت شامل ہوتی ہے۔ لیکن اس میں اہم بات یہ ہے کہ منطق میں صرف فکری صوری یا مادی حالت کو دیکھا جاتا ہے کسی کی نیت کو نہیں لہٰذا مغالطۂ دانستہ یا نادانستہ کی تفہیم غلط ہے۔ مغالطہ یا تو ہوتا

ہے یا نہیں ہوتا۔

وکیل کو زور دار اور با معنی بنانے کے لئے زور دار مغالطے اور منطقی استدلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ مغالطے کا مطالعہ اگر تفصیلاً کیا جائے تو ناکام ہونے والا وکیل چند روز میں ہی کامیاب وکیل بن سکتا ہے۔ کم گو اور ناکام مقرر کامیاب مقرر بن سکتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مغالطے کا فن جانتا ہو۔

5۔ فریق ثانی کو لاجواب کرنا

مغالطہ بحث و مباحثہ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ گفتگو، سوال و جواب اور بحث کے دوران میں فریق ثانی کو لاجواب کرنے کے لئے مغالطوں کا شامل کرنا نہایت ضروری ہے۔ بعض اوقات کوئی شخص اپنی دلیل پر بلاوجہ اڑ جاتا ہے۔ دراصل وہ اس وقت کسی نہ کسی مغالطے سے کام لے رہا ہوتا ہے۔ وہ ایسی جگہ ثبوت طلب کرتا ہے جہاں ثبوت مہیا کرنا ممکن نہیں ہوتا یا پھر بعض اوقات ایسی صورت حال پیدا ہوتی ہے کہ مغالطوں سے لبریز ایسی گفتگو یا دلائل پیش کرتا ہے کہ فریق ثانی کو لاجواب کر دیتا ہے۔ فریق ثانی کو لاجواب کرنے کے لئے جب صحیح مواد ختم ہو جائے تو مغالطوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جب زبردست دلائل دینے والے دونوں وکیلوں میں ٹھن جاتی ہے تو کمزور مقدمے کی پیروی کرنے والا وکیل اپنی دلیل کو صحیح ثابت کرنے کے لئے مغالطوں کا سہارا لیتا ہے۔ مثلاً

وکیل صفائی:۔ اس قالین کی فروخت کے سلسلے میں کوئی تحریر موجود نہیں۔

مدعی:۔ ہر شے کی تحریر نہیں ہوتی ہے۔

وکیل صفائی:۔ ہر شے کی تحریر ہوتی ہے۔

مدعی:۔ کیا آپ جب کسی تندور سے ایک روٹی خریدتے ہیں تو اپنے پاس کوئی تحریر رکھتے ہیں۔

وکیل صفائی:۔ میں قالین کی بات کر رہا ہوں جسے فرش پر بچھاتے ہیں لیکن آپ روٹی کو فرش پر تو نہیں بچھاتے۔

مدعی:۔ میں بھی قالین کی بات کر رہا ہوں۔ اگر روٹی کو فرش پر نہیں بچھاتے تو قالین کو بھی تو نہیں کھاتے۔

ایسے مکالمے میں آپ فریق ثانی کو مغالطوں کے استعمال سے لاجواب تو کر سکتے ہیں لیکن حقیقتاً منطقی لحاظ سے ایسے مکالمے کوئی دلیل نہیں ہوتے ان سے صحیح مناسب اور متعلقہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

7۔ نعروں میں استعمال

کسی بھی قوم کے راہنما ہمیشہ نعروں سے کام لیتے ہیں۔ اپنی تحریروں اور تقریروں میں کامیابی اور گرما دینے والے نعروں کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ یہ تمام تر نعرے مغالطوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ یعنی لفاظی کی جاتی ہے۔ جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مغربی فلسفی نکولو میکاولی (Niccolo Machiavelli) نے اپنی کتاب "دی پرنس" (The Prince) میں اس طریق کار کا بخوبی ذکر کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ عوام کو دھوکا دینے کے لئے قوم کے راہنما ہمیشہ نعروں سے کام لیتے ہیں۔

دراصل ان نعروں کی حقیقت نہیں ہوتی چونکہ ان نعروں کی حقیقت نہیں ہوتی لہذا یقیناً یہ مغالطوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ کامیاب ہونے کے لئے سیاسی راہنما ہمیشہ عوام کو نعروں کی مدد سے اور فریب کے ذریعے بے وقوف بناتے ہیں۔ مثلاً "اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔" "آگے بڑھو تہس نہس کردو۔" لوگوں کے جذبات سے کھیلا جاتا ہے۔ اصل میں دلیل جذبات (Arguments of Populum) مغالطہ نتیجہ غیر متعلق کی دو قسم ہے جس میں سامعین کے جذبات کو اپیل کی جاتی ہے۔ جذبات کو مشتعل کیا جاتا ہے۔ سیاسی دعوای مقررین کے ہاتھ میں دلیل جذبات ایک مؤثر اور کارگر ہتھیار ہوتا ہے۔ جس سے وہ عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈال سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ مغالطہ کے مطالعہ اور استعمال سے ممکن ہوتا ہے۔ تقریر کا مختصر حصہ جس میں نعروں میں مغالطوں کا استعمال کرکے عوام کو جذباتی بنا کر قائل کیا جاتا ہے۔

"او مظلوم مزدورو! تم کب تک خواب خرگوش میں سوئے رہوگے؟ تم کب تک ظالم سرمایہ داروں کو اپنے حقوق آزادی کچلنے دوگے؟ تم کب تک اپنے بھوکے، پیاسے اور ننگے بچوں کو اس مظلومی کی حالت میں دیکھتے رہوگے؟ کیا تمہارے اندر خون نہیں ہے! کیا تمہارے خون میں جوش نہیں ہے؟ اٹھو ان محلات کو آگ لگادو۔ اٹھو ان کارخانوں کو جلا دو۔

اٹھو ورنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

یہ ملیں تمہاری ہیں لیکن تم اور تمہاری اولاد کپڑے کو ترستی ہے۔ آگے بڑھو۔ آگے بڑھو۔

کیا ملیں اس لئے ریشم کا ڈھیر بنتی ہیں
کہ دختران وطن تار تار کو ترسیں

اس طرح کے جذباتی نعروں سے بھری مغالطوں پر مبنی تقریر کا اگر تجزیہ کیا جائے تو حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ صرف لفاظی کرکے لوگوں کو بے وقوف بنایا جاتا ہے اور بے وقوف بنانے والا سیاسی یا مزدور راہنما ایسا کرکے انتخابات جیت جاتا ہے اور پھر کبھی نظر نہیں آتا۔

8۔ مزاح پیدا کرنا

انسان یکسانیت سے اکتا جاتا ہے۔ یکسانیت میں تبدیلی حالات و واقعات اور صورت حال کو بدل کر کی جاتی ہے۔ جس سے مزاح پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی کوئی نہ کوئی غلطی ضرور پائی جاتی ہے یہی صورت حال مغالطہ کہلاتی ہے گویا مغالطہ پیدا کرکے مزاح پیدا کیا جاتا ہے۔

مغالطے ہنسی مذاق، طنز و مزاح اور خوش مزاجی کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بظاہر ایسا لگ رہا ہوتا ہے کہ بات صحیح ہے لیکن غلطی بھی ہے اور یہی بات مزاح کی وجہ بنتی ہے۔ پہیلیاں، طنز و مزاح میں مغالطہ ابہام پایا جاتا ہے۔ منطق کے پروفیسر ایک واقف کار حلوائی کی دکان پر جاتے ہیں دونوں میں جو گفتگو ہوتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

پروفیسر:۔ حلوائی بھائی یہ مٹھائی کس بھاؤ ہے؟

حلوائی:۔ تمام مٹھائی کی اقسام کا بھاؤ ایک ہی ہے؟

پروفیسر:۔ مجھے آدھا کلو برفی دے دیں۔

پروفیسر آدھا کلو برفی لے کر چلنے لگتے ہیں پھر اچانک مڑ کر کہتے ہیں یہ برفی واپس رکھ لیں مجھے آدھا کلو لڈو دے دیں۔ حلوائی برفی واپس رکھ کر آدھا کلو لڈو دے دیتا ہے۔ پروفیسر لڈو لے کر چل پڑتے ہیں۔

حلوائی:۔ پروفیسر صاحب پیسے تو دے دیں۔

پروفیسر:۔ کس شے کے پیسے؟

حلوائی:۔ آدھا کلو لڈوؤں کے۔ جو آپ نے حاصل کئے ہیں۔

پروفیسر:۔ لڈو تو میں نے برفی کے معاوضے میں حاصل کئے ہیں پھر پیسے کیوں دوں؟

حلوائی:۔ پھر برفی کے ہی پیسے دے دیں۔

پروفیسر:۔ برفی تو میں نے آپ کو واپس کر دی ہے۔ پیسے کیوں دوں؟

حلوائی:۔ بھئی یہ کیا ہے؟

پروفیسر:۔ یہ منطق ہے آپ بھی روز پوچھتے تھے کہ بتائیں منطق کیا ہوتی ہے۔

اس ساری گفتگو کے نتیجے میں مغالطہ کی وجہ سے مزاح پیدا کیا گیا ہے۔

چند اہم مغالطے (Some Important Fallacies)

مغالطہ میں بیان کردہ فقرات بظاہر صحیح معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً ان میں کوئی نہ کوئی کمی، گتھی، گھنڈی، یا چکر (Trick) پایا جاتا ہے جس سے مفہوم ہی یکسر بدل جاتا ہے۔ حالات وواقعات کی بنا پر مغالطہ کی یوں تو کئی ایک اقسام ہیں لیکن ان میں سے چند ایک اہم مغالطوں کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے جن سے مغالطے کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔

1۔ مغالطہ اپیل برائے طاقت (Fallacy Appeal to Force)

زندگی گزارنے کے لیے انسان ہر طرح سے ہاتھ پاؤں مارتا ہے لیکن ایسی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ علم ودلیل اور تعلیم کے بجائے طاقت، دھونس اور زبردستی سے اپنا موقف منوایا جاتا ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول کو اپنایا جاتا ہے۔ طاقت سے اپنی بات منانے کو مغالطہ اپیل برائے طاقت کہا جاتا ہے۔ مضبوط آہنی ہاتھوں سے نپٹا جاتا ہے۔ یہاں تمام قوانین، اصول وضوابط اور دلائل بے معنی ہو جاتے ہیں۔ طاقت کے ذریعے اپنی مرضی کے نتائج حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہاں گفتگو، بحث ومباحثہ اور کسی قسم کے قوانین کے بجائے دھمکی اور مار دھاڑ سے کام لیا جاتا ہے۔ گویا اصل معاملہ سے توجہ ہٹا کر زبردستی اپنی بات منوائی جاتی ہے۔ جن ممالک میں فوج کشی ہوتی ہے وہاں بھی ایسی ہی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ وہاں اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کے لیے حقیقی آئین اور ضابطہ کے بجائے خود ساختہ زبردستی کے قوانین سے من مرضی کی جاتی ہے۔ یہاں تمام عقلی موشگافیاں ناکام ہو جاتی ہیں۔ مغالطہ اپیل برائے طاقت، الفاظ کو جاندار بنانے کے لئے مددگار ثابت ہوتا ہے۔

2- مغالطۂ اپیل برائے ہیجان (Fallacy Appeal to Emotion)

احساس میں جب شدت پیدا ہو جاتی ہے تو ہیجان پیدا ہوتے ہیں یا یوں کہیے کہ احساس کی شدید حالت ہیجانی حالت ہوتی ہے۔ مغالطۂ اپیل برائے ہیجان میں صورت حال یہ پیدا ہوتی ہے کہ دلائل اور صحیح علم کی بنیاد کے بجائے شدت سے مدد لی جاتی ہے لفظی تشدد اس کی اہم مثال ہے۔ اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کے لیے شور و غل، ہیجان انگیز ماحول اور دوسرے کو بات کرنے کی اجازت نہ دینا ہے۔

مثلاً کوئی وڈیرہ کسی غریب کی صحیح بات یا فریاد سننے کے بجائے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر خود ہی فیصلہ سنا دیتا ہے۔ اس طرح ہیجانات کی مدد سے تشدد آمیز رویہ اپنا کر مغالطۂ اپیل برائے ہیجان پیدا کیا جاتا ہے۔ جس سے حقیقی اور اصلی معاملہ دب جاتا ہے۔ عموماً دفتروں میں افسران اپنے ماتحتوں کے ساتھ ایسا رویہ اپناتے ہیں۔

اس میں مقدمات کا تعلق نتائج سے نہیں ہوتا بلکہ سننے اور پڑھنے والے کو ہیجانی صورت حال کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ غصہ، نفرت اور جذبات آمیز حالات پیدا کیے جاتے ہیں۔ اصل علمی اور فکری دلائل کو سبوتاژ کیا جاتا ہے۔ مقدمات کی نوعیت کو بالائے طاق رکھ کر نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے جیسے ہٹلر (Hitler) ہیجانی صورت حال پیدا کر کے اپنا حکم منوا لیتا تھا۔ چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کی مثالیں بھی اس نوعیت کی ہیں۔ کوئی ظالم بادشاہ، ظالم باپ اپنی زور دار ہیجانی آواز سے اپنی رعایا اور بچوں سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرواتا ہے اور کوئی دلیل نہیں سنتا۔ ظالم اور زبردست شوہر بھی بیوی کو دھونس اور زبردستی سے اپنی بات منواتا ہے۔

اسی طرح منفی ہیجان کے علاوہ مثبت ہیجان بھی مغالطہ پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کے ساتھ شدید لگاؤ، شدید جذبہ حب الوطنی وغیرہ۔ سیموئیل جانسن (Samual Johnson's) کے خیال میں ''کسی بدمعاش کے لیے حب الوطنی آخری پناہ گاہ ہے۔'' ویسے عملی طور پر وہ ہر کام ملک کے قوانین کے خلاف کرتا ہے۔ لیکن اپنے مفاد کے لئے حب الوطنی کا نعرہ لگاتا ہے۔ گویا کوئی ایسا شخص جو ہمیشہ غیر قانونی حرکات کا مرتکب ہوتا رہا ہو۔ اگر حب الوطنی کے ہیجانی لگاؤ کو استعمال میں لائے تو وہ اپنی جان بچانے کے لیے بہترین ہتھیار ہوگا۔ جس کا اصل میں حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یہی مغالطہ اپیل برائے ہیجان ہے۔

کسی فرد، شے یا جگہ سے شدید لگاؤ کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سیاستدان لوگوں کے جذبات اور ہیجانات کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں جذباتی نعروں اور ترانوں کی مدد سے مختلف وعدے کر کے اپنی سیاسی پارٹیوں کو مضبوط بناتے ہیں۔ انہی شدید نعروں کی وجہ سے دو یا دو سے زیادہ ممالک میں جنگیں چھڑ جاتی ہیں جو ہمیشہ کے لیے مسائل کا باعث بنتی ہیں۔

اشیاء بیچنے کے لیے بھی مختلف اشتہاری کمپنیاں مغالطہ اپیل برائے ہیجان سے مدد لیتی ہیں۔ لوگوں کو توجہ دلانے کے لیے ایسے اشتہاری نعرے اتنی بار دہرائے جاتے ہیں کہ لوگ ان پر یقین کرنے لگتے ہیں خواہ ان کی حیثیت اتنی حقیقی نہ ہو۔ خوبصورت لباس میں ملبوس لڑکیوں کا اشیاء سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا لیکن جذباتی اور ہیجانی صورت پیدا کر کے بغیر کسی دلیل کے لوگوں کو اشیاء خریدنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ یہ یقیناً مغالطہ اپیل برائے ہیجان ہے۔ ٹی وی پر سگریٹ کا اشتہار زیادہ موثر،

طاقت ور اور ہیجان خیز ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ تمباکو نوشی کے بارے میں وارننگ کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ یہ بھی مغالطہ اپیل برائے ہیجان ہے۔

اسی طرح تقریروں میں ایسے فقرات استعمال کئے جاتے ہیں جو شدید نوعیت کے ہوتے ہیں۔ نوجوان ان جذباتی فقروں سے اپنے آپ میں ہیجانی تبدیلی پاتے ہیں اور بغیر کسی دلیل یا نتیجہ کو سمجھے میدان عمل میں کود پڑتے ہیں۔ مثلاً "ہم اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔" "سر پر کفن باندھ کر نکلو۔" "میرے ساتھ چلو مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے۔" "آگے بڑھو تمام رکاوٹوں کو توڑ دو۔" ایسی ہی جذباتی تقریر بے حد متاثر کرتی ہے۔

3۔ مغالطہ اپیل برائے رحم(The Fallacy Appeal to Pity):-

بعض اوقات ایسی صورت حال پیدا ہوتی ہے کہ اصل معاملہ کو چھوڑ کر ہمدردانہ اور رحم لانے طریقہ کار اپنایا جاتا ہے۔ اس میں بھی مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جس میں زور اگر زیادہ ہو تو کامیابی ہوجاتی ہے ورنہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً اگر کسی طالب علم کو اس کی غلطی پر کالج انتظامیہ پکڑ لیتی ہے اور غلطی کی نوعیت کے لحاظ سے کالج کونسل میں اسے بلایا جاتا ہے تو سفارش کرنے والا اور وہ خود بھی اصل معاملہ کی وضاحت کرنے کے بجائے رحم کی اپیل شروع کردے گا۔ کہ " میں غریب گھر کا ہوں بڑی مشکل سے پڑھنے کے لیے آتا ہوں مجھے معاف کردیا جائے۔" منت سماجت اور دعائیں دینا شروع کر دیتا ہے۔ کالج کونسل کی توجہ اصل معاملہ سے ہٹا کر رحم کی طرف لگ جاتی ہے۔ اسے مغالطہ اپیل برائے رحم کہا جاتا ہے۔

مانگنے والے بھی اسی طریقے کو اپناتے ہیں لوگوں کے جذبات کو ابھارتے ہیں اکثر اوقات وہ اپنے اس فن میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

مغالطہ اپیل برائے رحم میں الفاظ اور فقرات کا استعمال بڑے ڈرامائی انداز میں کیا جاتا ہے جس سے سننے والے کے دل میں ہمدردی اور رحم پیدا کیا جاتا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ قانون میں بھی اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اگر عدالت میں قاتل اور اس کے لواحقین جج سے درخواست کرنا شروع کردیں کہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں بہن بھائی ہیں اس کو چھوڑ دیا جائے تو یہ بھی مغالطہ اپیل برائے رحم ہے جس کا حقیقت اور قانون سے کوئی تعلق نہیں اصل مسئلے کو چھوڑ کر رحم کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

4۔ مغالطہ سوالات مرکب(The Fallacy of Complex questions)

مغالطہ سوالات مرکب ایک ایسی زوردار دلیل ہے جس سے فریق مخالف کو مختلف سوالات کی بوچھاڑ سے پریشان کیا جاتا ہے۔ اس میں متعدد اعتراضات کی صورت میں سوالات اُٹھائے جاتے ہیں۔ یہ مغالطہ طویل مباحثہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مغالطہ سوالات مرکب عموماً اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب ایک سے زیادہ سوالات جمع کرکے مخاطب کو ان کا "ہاں" یا "نہ" میں جواب دینے کے لئے کہا جاتا ہے جو کہ ناممکن ہوتا ہے۔ ان سوالات میں دو یا دو سے زیادہ موضوعات کو کسی ایک محمول سے منسلک کیا جاتا ہے یا پھر دو یا دو سے زیادہ محمول کو کسی ایک موضوع کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ مثلاً "کیا زید اور اس کا بھائی ایماندار ہیں؟"

"کیا زید ایماندار اور مخلص ہے؟" "کیا کینو اور پپیتا کھٹے ہوتے ہیں؟" عدالت میں وکلاء عموماً مغالطۂ سوالات مرکب کا سہارا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف جواب "ہاں" یا "نہ" میں دیں۔ ملزم عدالت میں خوف زدہ ہوتا ہے اور ان سوالات کا تانا بانا ایسا ہوتا ہے کہ جواب "ہاں" یا "نہ" میں دینے کی دونوں صورتوں میں بات اس کے خلاف جاتی ہے۔ مثلاً

وکیل:۔ کیا تم نے شراب پینا چھوڑ دیا ہے؟

ملزم یہ سوال سن کر پریشان ہو جاتا ہے کہ کیا جواب دوں، تو وکیل ایک اور سوال داغ دیتا ہے۔

وکیل:۔ کیا تم نے اپنی بیوی کو پیٹنا چھوڑ دیا ہے؟

اور مزید سوال کہ تم چوری کرنے گھر سے کس وقت نکلے تھے؟

مغالطۂ سوالات مرکب میں دراصل پیچیدہ اور مبہم سوالات سے فکری جھجک پیدا کی جاتی ہے۔

مغالطۂ سوالات مرکب میں اصل معاملہ سے توجہ ہٹانا مقصود ہوتا ہے۔ اس میں لاتعداد سوالات کئے جاتے ہیں تاکہ معاملہ گڑبڑ ہو جائے اور سوالات کے دباؤ میں حالات بدل جائیں۔ بچوں کو ڈانٹنا اور سوال پوچھنے کے جواب میں کئی ایک سوالات کر دینا سے بھی یہی صورت حال ہوتی ہے جس سے مغالطۂ سوالات مرکب پیدا ہوتا ہے۔

مغالطۂ سوالات مرکب کا ہم عموماً اس وقت استعمال کرتے ہیں جب متعلقہ موضوع کی دلیل ختم ہو جائے، کوئی بات نہ بن پائے۔ ہم ایک سوال یا موضوع کے جواب میں لاتعداد سوالات کر دیتے ہیں جس سے اصل بات کو سبوتاژ کیا جاتا ہے۔ دراصل اس مغالطہ کا کام ہی یہی ہوتا ہے کہ موجودہ حالات کو تبدیل کر دیا جائے۔

5۔ مغالطۂ دلیلِ شخصیت

(The Fallacy of Argumentum) OR (The Fallacy of Ad Hominem)

مغالطۂ دلیلِ شخصیت ایک بڑا دلچسپ مغالطہ ہے۔ اس میں اصل بات اور دلیل کو چھوڑ کر اس شخص پر الزام تراشی شروع کر دی جاتی ہے جس نے کوئی دلیل پیش کی۔ کوئی شخص دوران گفتگو کسی قسم کا دعویٰ کرے تو سننے والا اس دعویٰ کو دلیل سے رد کرنے یا جواب دینے کی بجائے دعویٰ کرنے والے کو برا بھلا کہنا شروع کر دے۔ اس میں زیرِ بحث موضوع کو چھوڑ کر حریف کی شخصیت پر نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص پر چوری کا شبہ کیا گیا ہو تو اس کا یہ کہنا مغالطۂ دلیلِ شخصیت ہوگا کہ مجھ پر الزام تراشی کرنے والا خود ایک دفعہ چوری کے جرم میں سزا کاٹ چکا ہے۔ اگر کوئی نوجوان اپنے بڑوں کے سامنے کوئی بات کرتا ہے تو اس کو یہ کہہ کر روک دیا جاتا ہے کہ تم تو خود ابھی بچے ہو، تمہیں کیا پتہ ایسی باتوں کا۔ بیشک اس نوجوان کی بات مستند اور صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ مقرر نوجوان تقریر میں مخالف مقرر کے دلائل کا جواب دینے کے بجائے موضوع سے ہٹ کر مقرر کی شخصیت اور جسمانی ساخت کا مذاق اڑانا شروع کر دیتا ہے تو یہ بھی مغالطۂ دلیلِ شخصیت ہے۔

کسی وکیل کو اگر کمزور مقدمے کی پیروی کرنا پڑے تو دلائل نہ ہونے کی وجہ سے وکیل مخالف کو کوسنا شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح اس کا موکل سمجھتا ہے کہ میرا وکیل صحیح دلائل دے رہا ہے۔

بعض اوقات ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم اپنے غلط کام کو غلط ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور جواباً دوسرے کو یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ تم بھی تو ایسے ہی ہو۔ مثلاً ایک طالب علم امتحان کے دوران میں نقل کرتا ہے تو دوسرا طالب علم اس کو ایسا کرنے کا طعنہ دیتا ہے تو اپنی غلطی کو ماننے کے بجائے وہ طالب علم الٹا اُسے کوسنا شروع کر دیتا ہے کہ تم بھی تو ہر امتحان میں نقل کرتے ہو۔

مغالطۂ دلیلِ شخصیت میں فریق مخالف کو لاجواب کرنے کے لئے دندان شکن جواب دیا جاتا ہے جب کہ ایسا کرنا منطقی لحاظ سے کوئی دلیل دینے کا عمل نہیں ہوتا۔ اس کے جواب میں معقولیت نہیں پائی جاتی۔

مغالطۂ دلیلِ شخصیت کو ایک دوسرے انداز سے دیکھا جائے تو ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی معاملہ ہو تو وہ اصل معاملے کے مندرجات یا لوازمات کو چھوڑ کر اس شخص کی تعریف کرنا شروع کر دے جس سے یہ بات یا معاملہ متعلق ہو۔ یہ عمل بھی نامعقولیت کے زمرے میں آتا ہے کہ اصل موضوع یا معاملہ کو حل کرنے کے لئے بلاوجہ تعریف کرنا، منت سماجت کرنا، خوش کرنا اور دلجوئی کرنا، جس میں شخصیت کی تعریف کی جائے۔ شخصیت پر الزام تراشی ہو یا مدح سرائی، دونوں صورتوں میں اصل معاملہ کو چھوڑ کر توجہ ہٹانے کا عمل دہرایا جاتا ہے، یہ مغالطۂ دلیلِ شخصیت ہے۔

6- مغالطۂ الفاظ ذو معنی (The Fallacy of Equivocation)

مغالطۂ الفاظ ذو معنی ہمیشہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی ایک لفظ، کسی حد، کسی استدلال (Reasoning) یا کسی قیاس (Syllogism) کے اصل معنی کے بجائے کوئی دوسرے معنی پیدا ہو جائیں۔ یہ بھی فقرے میں ابہام کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے لیکن پورے فقرے کے بجائے صرف ایک لفظ کے معنی بدلنے سے بھی مغالطۂ الفاظ ذو معنی پیدا ہو جاتا ہے۔ مغالطۂ حدِ اوسط، مغالطۂ مبہم حدِ اکبر، اور مغالطۂ مبہم حدِ اصغر اس کی اہم مثالیں ہیں۔

ارونگ کوپی (Irving Copi) کے خیال میں جب کسی لفظ یا ضرب المثل کو دو یا دو سے زیادہ معنی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تو اس وقت مغالطۂ الفاظ ذو معنی پیدا ہوتا ہے۔ کسی دلیل کی تشکیل میں خواہ حادثاتی طور پر ایسا ہو یا کوئی ارادی طور پر ایسا کرے تو مغالطہ پیدا کیا جا سکتا ہے کیونکہ لغوی طور پر بھی متعدد الفاظ کے ایک سے زیادہ معنی ہوتے ہیں۔

بعض الفاظ کے حقیقی معنی کسی شے سے منسلک ہو کر بنتے ہیں۔ اس طرح ان الفاظ کو جہاں بھی لگائیں گے وہاں کسی مناسبت سے معنی پیدا ہو جائیں گے۔ مثلاً لفظ "اچھا" (Good) یا "اچھائی" (Goodness) ایک نسبتی حد (Relative Term) ہے۔ اسے کسی شخص، پھول یا کتاب کے ساتھ لگائیں گے تو اس کے معنی بدل جائیں گے جیسے اچھا شخص، اچھا پھول، اچھی کتاب وغیرہ۔

7- مغالطۂ ابہام (The Fallacy of Amphiboly)

بعض اوقات فقرات لکھتے یا بولتے وقت اس ترتیب سے الفاظ ادا کئے جاتے ہیں کہ ان کے معنی کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے یا وہ فقرے ذو معنی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً "روکو مت جانے دو۔"

اس فقرے کو ادا کرتے ہوئے دو انداز کے معنی ہو سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ "روکو مت...... جانے دو" اور دوسرا یہ کہ "روکو

...... مت جانے دو" اسی طرح "لڑکا نہ لڑکی" اس کے تین مفہوم ہو سکتے ہیں پہلا "لڑکا ...... نہ لڑکی" دوسرا "لڑکا نہ ...... لڑکی" تیسرا "لڑکا ...... نہ ...... لڑکی"۔

مغالطۂ ابہام میں الفاظ کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے کہ اس کو جن الفاظ پر زور دے کر ادا کریں اسی کی طرف فقرے کے معنی کا رجحان ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ فقرے پڑھیں۔

"اس ہوٹل میں عارضی اور مستقل طور پر شرفا کے لیے رہائش کا انتظام کیا جاتا ہے۔"

اس فقرے میں ہوٹل کے ساتھ عارضی اور مستقل کے الفاظ ملائیں اس کے معنی رہائش سے متعلق بنتے ہیں اور اگر ان کا تعلق شرفاء سے ملائیں تو معنی کے لحاظ سے شرافت عارضی اور مستقل کا مفہوم ہوگا۔

فقرے میں ابہام کا مغالطہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب الفاظ کی ترتیب فقرے کی ساخت کے لحاظ سے مناسب نہ ہو۔ مثلاً

"گم ہو گیا کتا ایک فوجی افسر کا جس کی دم کٹی ہوئی تھی۔"

اس میں کتے کی دم کٹنے کی طرف اشارہ تھا اور فقرے کی ساخت کے لحاظ سے مغالطۂ ابہام کی وجہ سے فوجی افسر کی دم کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح یہ فقرہ پڑھیں۔

"گڑیا بڑی خوبصورت ہے اس لڑکی کی جس کی ٹانگیں پلاسٹک کی ہیں۔"

بنیادی طور پر گڑیا کی ٹانگیں پلاسٹک کی بتانے کی کوشش کی گئی ہے جبکہ فقرے کی ساخت کے لحاظ سے مغالطۂ ابہام کی وجہ سے لڑکی کی ٹانگیں پلاسٹک کی معلوم ہوتی ہیں۔

مغالطۂ ابہام دراصل الفاظ کو صحیح اور مناسب جگہ پر نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ روز مرہ زندگی میں ہم متعدد ایسے فقرے بولتے ہیں جن میں مغالطۂ ابہام پایا جاتا ہے۔

"اکرم کی جیل میں اسلم سے ملاقات"

ایک قومی اخبار نے یہ سرخی خبر پر لگائی تھی میں نے بتایا کہ اس میں ابہام پایا جاتا ہے۔ پہلے متعلقہ انچارج نہ مانے لیکن وضاحت کرنے پر مان گئے۔ میں نے بتایا کہ اکرم کی تو کوئی جیل نہیں ہے۔ اس کے یہاں مغالطۂ ابہام ساخت کے لحاظ سے بتایا جاتا ہے۔ صحیح سرخی یوں ہونا چاہیے تھی۔ "اکرم کی اسلم سے جیل میں ملاقات"۔ مغالطۂ ابہام میں خود ساختہ اغلاط پیدا کرنے ہوتے ہیں۔

8۔ مغالطۂ تاکید (The Fallacy of Accent)

مغالطہ دراصل لفظوں کا ہیر پھیر ہے۔ یہ خاصیتیں فقرات لکھتے وقت یا بولتے وقت پیدا کی جا سکتی ہیں۔ کسی ایک یا ایک سے زیادہ الفاظ کو زور دے کر ادا کرنے سے اس کے معنی بدل جاتے ہیں۔ اس زور میں معنی بدلنے کی تاکید پائی جاتی ہے

جس سے مکمل فقرے میں مغالطۂ تاکید پیدا ہوتا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد ابھی جب ملک میں زیادہ طبی سہولتیں نہیں تھیں۔ طبی علوم نے زیادہ ترقی بھی نہیں کی تھی۔ مہنگی اور زیادہ موثر دواؤں کے بجائے مائع دوائی شیشی یا بوتل میں ڈال کر دی جاتی تھی۔ شیشی یا بوتل پر لیبل لکھا ہوتا تھا۔

''مریض کو دوائی دینے سے قبل ضرور ہلالیں۔''

اگر اس احتیاط کو لفظ ''مریض'' پر زور دے کر پڑھیں تو اس کے معنی یکسر تبدیل ہوجاتے ہیں اور لطیفے کے طور پر کہا جاتا تھا کہ بعض کم فہم لواحقین ڈاکٹر کی اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے دوائی دینے سے پہلے مریض کو ضرور ہلا لیتے تھے۔

ماں بچوں کو کوئی کام کرنے کے لیے بار بار تاکید کرتی ہے۔ فقروں کو دہراتی ہے اور الفاظ پر زور دیتی ہے جس سے فقروں کے معنی میں زور پیدا ہوتا ہے اور معنی بدلتے رہتے ہیں مثلاً

''اپنے منہ ہاتھ دھو کر آم کھالو۔''

اس فقرے کو بار بار دہرانے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ کبھی زور منہ ہاتھ دھونے پر ہے اور کبھی دھو کر آم کھانے پر ہے۔ اس طرح مضامین یا سوالات لکھتے وقت بعض الفاظ آڑے ترچھے لکھے جاتے ہیں۔ زیر سطر (Underline) کر دیئے جاتے ہیں جن پر عمل کرنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ ان سب میں مغالطۂ تاکید پایا جاتا ہے۔

مشقی سوالات

انشائی طرز (Subjective Type)

سوال1: مختصر جواب دیں:

i۔ ادراک کسے کہتے ہیں؟

ii۔ طنز و مزاح میں کون سا مغالطہ پایا جاتا ہے؟

iii۔ مغالطۂ تاکید سے کیا مراد ہے؟

iv۔ افلاطون کے خیال میں مغالطہ سے کیا مراد ہے؟

v۔ اپنی بات کو باوزن اور مدلل بنانے کے لئے مغالطہ کیسے پیدا کرتے ہیں؟

vi۔ فریق ثانی کو لاجواب کیسے کرتے ہیں؟

vii۔ مغالطوں کا نعروں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثال دیں؟

viii۔ یہ کس کا قول ہے کہ ''کسی بدمعاش کے لئے حب الوطنی آخری پناہ گاہ ہے۔''؟

ix۔ دی پرنس (The Prince) کس کی تصنیف ہے؟

x۔ مغالطۂ ذومعنی کیسے پیدا ہوتا ہے؟

سوال 2: تفصیلاً جواب دیں:

i۔ مغالطے کا مفہوم مختلف مثالوں کی مدد سے بیان کیجیے؟

ii۔ مغالطوں کے مطالعہ کی اہمیت بیان کیجیے؟

iii۔ مغالطۂ دانستہ یا سفسطہ (Sophism) اور مغالطۂ نادانستہ (Pdoralogism) کی وضاحت کیجیے؟

iv۔ مغالطۂ اپیل برائے طاقت اور مغالطہ اپیل برائے ہیجان کی وضاحت کیجیے؟

v۔ مغالطۂ الفاظ ذو معنی اور مغالطہ ابہام کا تقابلی جائزہ لیجیے؟

معروضی طرز (Objective Type)

سوال نمبر 3: ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے چار ممکنہ جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کیجیے:

i۔ غلط ادراک کو کہا جاتا ہے۔

ا۔ التباس ب۔ فکر ج۔ علم د۔ ہیجان

ii۔ فرضی یا دانستہ پیدا کردہ التباس جملے کو صحیح ثابت کرنے کو کہتے ہیں۔

ا۔ رکاوٹ ب۔ مغالطہ ج۔ واقعہ د۔ مفروضہ

iii۔ علم منطق میں فکر کے اصول کے مطابق صحیح مقدمات ہی سے اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

ا۔ صحیح طریقے ب۔ صحیح مقدمات ج۔ صحیح نتائج د۔ صحیح فکر

iv۔ مغالطۂ لفظی فکری یا کسی بھی نوعیت کو کہتے ہیں۔

ا۔ شکل ب۔ زبان ج۔ سوچ د۔ غلطی

v۔ وکیل عموی طور پر بحث کے دوران میں پیدا کرتا ہے۔

ا۔ مغالطہ ب۔ واقعہ ج۔ رابطہ د۔ فیصلہ

vi۔ مغالطہ پیدا کرنا دراصل ہوتا ہے۔

ا۔ فکر ب۔ فن ج۔ استدلات د۔ عمل

vii۔ طاقتور مغالطے میں دلیل کو بنایا جاتا ہے۔

ا۔ خوابیدہ ب۔ بامعنی ج۔ زوردار د۔ لطیف

viii۔ صحیح مواد ختم ہو جائے تو فریق ثانی کولاجواب کرنے کیلئے سہارا لیا جاتا ہے۔

ا۔ رکاوٹوں کا ب۔ سوالوں کا ج۔ جوابوں کا د۔ مغالطوں کا

ix۔ علمی مذاق اور طنز و مزاح میں پایا جاتا ہے۔

ا۔ مغالطۂ ابہام ب۔ مغالطۂ اپیل ج۔ مغالطۂ ہیجان د۔ مغالطۂ طاقت

x۔ مغالطہ اپیل برائے رحم میں پایا جاتا ہے۔

ا۔ زور ب۔ رحم ج۔ جذبہ د۔ نعرہ

xi۔ مغالطۂ اپیل برائے ہیجان میں مدد لی جاتی ہے۔

ا۔ شدت سے ب۔ سوچ سے ج۔ فلسفہ سے د۔ الفاظ سے

xii۔ مغالطۂ دانستہ میں مغالطہ پیدا کرنے والے کی شامل ہوتی ہے۔

ا۔ فکر ب۔ نیت ج۔ تردید د۔ غلطی

xiii۔ فقرے کے معنی بدلنے کی تاکید میں پایا جاتا ہے۔

ا۔ مغالطۂ فکر ب۔ مغالطۂ ابہام ج۔ مغالطۂ تاکید د۔ مغالطۂ طاقت

xiv۔ ماخذ علم سے بنیادی طور پر حاصل ہوتا ہے۔

ا۔ قضیہ ب۔ خواب ج۔ سکون د۔ ادراک

xv۔ مغالطۂ دلیل شخصیت میں اصل موضوع ہوتا ہے۔

ا۔ شخصیت ب۔ ترکیب ج۔ مخاصمت د۔ دلیل

مقولی قضیے
(Categorical Propositions)

فکر کی تصدیق یہ ہے کہ وہ حقائق کے مطابق ہوتا ہے یعنی فکر حقیقت کا عکس ہوتا ہے۔ ذہن میں پیدا ہونے والے فکر سے تصور جنم لیتا ہے اور جب تصور کو الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے تو علمِ منطق کی اصطلاح میں اسے حد (Term) کہا جاتا ہے اور جب دو تصورات کے مابین تعلق پیدا کیا جاتا ہے تو اسے حکم (Judgement) کہتے ہیں۔ منطق کا تعلق عملِ حکم کے نتیجے سے ہے۔ جب حکم کو الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے تو اسے علمِ منطق کی اصطلاح میں قضیہ (Proposition) کہتے ہیں۔ مثلاً:

"سقراط ایک انسان ہے۔"
"اسلم ایک طالب علم ہے۔"
"سرخ آم میٹھے ہیں۔"

ان جملوں میں دو تصورات کے مابین تعلق پیدا کیا گیا ہے۔ "سقراط"، "انسان"، "اسلم"، "طالب علم"، "سرخ آم" اور "میٹھے" سب تصورات ہیں۔ "سقراط" کا "انسان" کے ساتھ، "اسلم" کا "طالب علم" کے ساتھ اور "سرخ آم" کا "میٹھے" کے ساتھ تعلق پیدا کیا گیا ہے۔ یہ عمل، عملِ تصدیق ہے۔ اور مختلف تصدیقات کو الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے علمِ منطق کی اصطلاح میں یہ تینوں جملے قضیے (Propositions) ہیں۔

اروِنگ کوپی (Irving Copi) کے خیال میں "ارسطوئی منطق استخراجیہ ایسے استدلال پر مبنی ہوتی ہے جو قضیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسے مقولی یا درجاتی قضیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ قضیے درجات یا جماعت (Categories or Class) کے بارے میں ہوتے ہیں۔ یونانی نظریہ استخراج کی تفہیم کے لیے ہمیں قضیوں کا بڑی احتیاط سے تجزیہ کرنا ہوگا جو کہ اس نظریہ کی عمارت کی اہم اینٹیں ہیں۔ اس استدلال کو لیجیے۔

تمام کھلاڑی سبزی خور نہیں ہیں۔
تمام کھلاڑی فٹ بال کھیلنے والے ہیں۔
لہٰذا تمام فٹ بال کھیلنے والے سبزی خور نہیں ہیں۔

اس استدلال میں تمام جملے درجاتی یا مقولی قضیے ہیں جن میں مختلف جماعتوں کے اقرار یا انکار کی وضاحت کی گئی ہے۔
قضیہ دو حدود کے متعلق ایک حکم ہوتا ہے۔ ایسا حکم جو ان دو حدود کے باہمی اتحاد یا اختلاف کو ظاہر کرے یعنی کوئی بھی قضیہ دو حدود کے باہمی تعلق کا اقرار یا انکار ہوتا ہے۔ مثلاً "تمام آم میٹھے ہیں"۔ اس قضیہ میں تمام آموں کے میٹھے ہونے کا اقرار

کیا گیا ہے۔ "تمام طلبا حاضر نہیں ہیں" اس قضیہ میں تمام طلبا کے حاضر ہونے کا انکار کیا گیا ہے۔ اس طرح قضیہ کی تعریف یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ قضیہ ایک ایسا جملہ ہوتا ہے جس میں کسی شے کے بارے میں اس کا اقرار یا انکار کیا جاتا ہے۔ تمام قضیے جملے ہوتے ہیں۔ کیونکہ تمام قضیوں میں اقرار یا انکار پایا جاتا ہے اور وہ مکمل مفہوم بیان کرتے ہیں لیکن تمام جملے قضیے نہیں ہوتے کیونکہ ہر جملے میں اقرار یا انکار نہیں پایا جاتا۔

کسی جملے میں کوئی مفہوم تو پایا جا سکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس میں کسی شے کا اقرار یا انکار بھی کیا گیا ہو مثلاً "دروازہ بند کر دیں" یہ ایک مکمل جملہ ہے لیکن اس میں کسی حد کا انکار یا اقرار نہیں پایا جاتا بلکہ یہ محض ایک حکمیہ (Ordered) جملہ ہے۔ اسی طرح "تم کیوں آئے؟"، "اسلم کھڑے ہو جاؤ"۔ "کاش میں کل وہاں ہوتا!" وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام جملے تو ہیں لیکن علم منطق کے مطابق قضیے نہیں ہیں۔

انسان فانی ہے۔

کوے سیاہ ہیں۔

گھوڑا مفید جانور ہے۔

پانی بہتا ہے۔

ان تمام جملوں میں کسی نہ کسی شے کا اقرار پایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ تمام جملے قضیے ہیں کیونکہ ان میں "ہے" اور "ہیں" کا استعمال کر کے اقرار کا اظہار کیا گیا ہے۔ قضیے میں کسی شے کا اقرار یا انکار ضروری پایا جاتا ہے۔ اسی طرح:

آم میٹھے نہیں ہیں۔

طلبا حاضر نہیں ہیں۔

حمید احمق نہیں ہے۔

پھول سرخ نہیں ہیں۔

ان تمام جملوں میں کسی نہ کسی شے کا انکار پایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ تمام جملے بھی قضیے ہیں کیونکہ ان میں "نہیں ہیں" یا "نہیں ہے" استعمال کر کے انکار کا اظہار کیا گیا ہے۔

قضیہ دو حدود کے متعلق ایک حکم ہوتا ہے۔ ایسا حکم جس میں حدود کے ہونے کا اقرار یا ہونے کا انکار بیان کیا جاتا ہے۔ ساخت کے لحاظ سے قضیے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ موضوع (Subject)، دوسرا محمول (Predicate) اور تیسرا ان دونوں کو ملانے والی علامت نسبت حکمیہ (Copula) ہے۔

قضیے کے ان تین اجزاء کی وضاحت یہ ہے کہ:

۱۔ وہ شے جس کے بارے میں اقرار یا انکار کیا جاتا ہے، کو موضوع (Subject) کہتے ہیں۔

۲۔ وہ شے جس کا اقرار یا انکار کیا جاتا ہے، کو محمول (Predicate) کہتے ہیں۔

۳۔ جس علامت سے انکار یا اقرار کی وضاحت ہوتی ہے، اسے نسبتِ حکمیہ (Copula) کہتے ہیں۔ مثلاً:

"انسان فانی ہیں۔"

اس قضیے میں "انسان اور" فانی" دو حد یں ہیں۔ انسان ایک ایسی حد ہے جس کے بارے میں اقرار کیا گیا ہے۔ لہٰذا "انسان" موضوع (Subject) ہے۔ "فانی" دوسری حد ہے اس قضیے میں انسان کے فانی ہونے کا اقرار کیا گیا ہے۔ اس لیے "فانی" محمول (Predicate) ہے۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ جب تک "ہے"، "نہیں ہے"، "ہیں"، "نہیں ہیں"، کے الفاظ ان دونوں حدود کے ساتھ نہ لگائی جائیں، موضوع کے اقرار یا انکار کا پتہ نہیں چلتا۔ "انسان فانی ہیں" قضیے میں لفظ "ہیں" ایسی علامت ہے جس سے انسان کے فانی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ یہی دونوں حدود کو آپس میں ملاتا ہے۔ اس لیے "ہیں" "نسبتِ حکمیہ ہے۔ نسبتِ حکمیہ ہمیشہ زمانہ حال (Present Tense) میں ہوتی ہے۔ علمِ منطق کا سروکار عمل حکم اور نتائج حکم سے ہوتا ہے اور حکم ہمیشہ زمانہ حال میں کیا جاتا ہے۔ یعنی جس حدِ واقع کا حکم مقصود ہو وہ یقیناً زمانہ حال میں ہوتا ہے۔ اس لیے یہ صحیح ہے کہ نسبتِ حکمیہ جس سے انکار یا اقرار کا پتہ چلتا ہے، کا تعلق ہمیشہ زمانہ حال سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی قضیہ ماضی اور مستقبل کے بارے میں ہو تو اس کو منطقی شکل میں تبدیل کیا جاسکتا ہے تاکہ نسبتِ حکمیہ زمانہ حال میں ہو اور زمانہ ماضی اور مستقبل کو محمول کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

مثلاً "زید کل حاضر تھا"، اس جملے کو منطقی شکل میں یوں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ "زید ہے وہ شخص جو کل حاضر تھا" اس میں "زید" موضوع کے ساتھ "ہے" لگا کر زمانہ حال میں تبدیل کیا گیا ہے جبکہ "شخص" محمول کو ماضی میں ہی رہنے دیا گیا ہے۔

اس طرح "میرا بھائی کل لاہور جائے گا"، اس جملے کو منطقی شکل میں یوں تبدیل کریں گے۔ "میرا بھائی ہے وہ شخص جو کل لاہور جائے گا۔"

اس طرح بعض اوقات مختصرات میں جملے مکمل نہیں ہوتے لیکن مفہوم صحیح بیان کرتے ہیں کیونکہ نسبتِ حکمیہ ان مختصر جملوں کے اندر چھپی ہوتی ہے۔ ان مختصر جملوں کو بھی منطقی شکل میں تبدیل کر کے نسبتِ حکمیہ کو الگ کیا جاسکتا ہے۔

مثلاً "کتے بھونکے"۔ "برف ٹھنڈی"۔ "گھوڑا وفادار"

ان تینوں مختصر جملوں میں نسبتِ حکمیہ، موضوع اور محمول میں مدغم ہوتی ہے۔ ان کو منطقی شکل میں یوں تبدیل کیا جاسکتا ہے:

کتے بھونکے۔	کتے ہیں وہ جانور جو بھونکے۔
برف ٹھنڈی۔	برف ہے وہ چیز جو ٹھنڈی ہے۔
گھوڑا وفادار۔	گھوڑا ہے وہ جانور جو وفادار ہے۔

اس طرح تینوں جملوں یا قضیوں میں موضوع، محمول اور نسبتِ حکمیہ واضح طور پر الگ الگ دکھائی دیتے ہیں۔ واضح اور صاف قضیے کی خوبی یہی ہے کہ موضوع، محمول اور نسبتِ حکمیہ علیحدہ علیحدہ واضح نظر آئیں۔ اگر کسی جملے کو منطقی شکل میں تبدیل نہ کیا جاسکے اور نسبتِ حکمیہ واضح نہ ہو تو وہ جملہ قضیہ نہیں ہوسکتا ہے۔

"چلو دوڑو"، "دروازہ بند کرو"، "تم کیوں آئے" یہ تینوں مختصر جملے تو ہیں لیکن قضیے نہیں ہیں کیونکہ ان کو منطقی شکل میں تبدیل کر کے موضوع، محمول اور نسبتِ حکمیہ الگ الگ نہیں کیے جاسکتے۔ ان میں نسبتِ حکمیہ ہے ہی نہیں۔

چار مقولی قضیے
(Four Categorical Propositions)

مختلف انداز سے دو حدود کو ایک دوسرے سے منسلک کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ اگر ایک جماعت (Class) کا ہر رکن دوسری جماعت کا ممبر بھی ہے تو پہلی جماعت شامل ہوگی یا دوسری پر مشتمل ہوگی۔ جیسے "کتے اور دودھ پلانے والے جانوروں کی جماعت۔"

۲۔ اگر ایک جماعت کے تمام نہیں بلکہ کچھ ارکان دوسری جماعت کے ممبر بھی ہیں۔ تو کہا جاسکتا ہے کہ پہلی جماعت جزوی طور پر دوسری جماعت پر مشتمل ہے۔ جیسے خواتین کی جماعت اور کھلاڑیوں کی جماعت۔

۳۔ اگر دو حدود میں کوئی رکن بھی مشترک نہیں ہے تو دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں گی۔ جیسے دائروں کی جماعت اور مثلثوں کی جماعت۔

مختلف جماعتوں میں تعلق مقولی قضیوں سے اقرار یا انکار سے کیا جاسکتا ہے نتیجتاً مقولی قضیوں کی چار اساسی اور معیاری اقسام بنتی ہیں، جن کی وضاحت درج ذیل چار قضیوں سے کی جاتی ہے۔

۱۔ تمام سیاست دان جھوٹے ہیں۔

۲۔ تمام سیاست دان جھوٹے نہیں ہیں۔

۳۔ کچھ سیاست دان جھوٹے ہیں۔

۴۔ کچھ سیاست دان جھوٹے نہیں ہیں۔

مزید مثالیں لیجئے:

۱۔ تمام سرخ آم میٹھے ہیں۔

۲۔ تمام سرخ آم میٹھے نہیں ہیں۔

۳۔ کچھ سرخ آم میٹھے ہیں۔

۴۔ کچھ سرخ آم میٹھے نہیں ہیں۔

۱۔ تمام طلبا حاضر ہیں۔

۲۔ تمام طالب علم حاضر نہیں ہیں۔

۳۔ کچھ طالب علم حاضر ہیں۔
۴۔ کچھ طالب علم حاضر نہیں ہیں۔

اب ان مثالوں میں چار اساسی، معیاری منطقی قضیوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔

1۔ ''تمام سیاست دان جھوٹے ہیں'' اس میں پہلی جماعت سیاست دان کا ہر رکن دوسری جماعت ''جھوٹے'' کا رکن ہے۔ ''تمام آم میٹھے ہیں'' اور ''تمام طلبا حاضر ہیں'' میں بھی یہی صورت حال ہے کہ پہلی جماعت'' آم'' کا ہر رکن دوسری جماعت ''میٹھے'' کا رکن ہے اور پہلی جماعت ''طلبا'' کا ہر رکن دوسری جماعت ''حاضر'' کا رکن ہے۔

۲۔ دوسرے قضیے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پہلی جماعت کا کوئی رکن بھی دوسری جماعت کا رکن نہیں ہے۔ مثلاً ''تمام سیاست دان جھوٹے نہیں ہیں۔'' اس میں ''سیاست دان'' پہلی جماعت ہے اور'' جھوٹے'' دوسری جماعت ہے۔ اس قضیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے قضیے ''تمام سیاست دان جھوٹے ہیں۔'' سے بالکل برعکس قضیہ ہے۔''تمام سیاست دان جھوٹے نہیں ہیں۔''

۳۔ تیسرے قضیے '' کچھ سیاست دان جھوٹے ہیں۔'' اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پہلی جماعت کے کچھ ارکان دوسری جماعت کے کچھ ارکان میں شامل ہیں۔ یعنی کچھ ''سیاست دان'' ایک جماعت ہے۔ اس طرح کچھ حصہ دوسری جماعت ''جھوٹے'' میں شامل ہے۔

۴۔ چوتھے قضیے '' کچھ سیاست دان جھوٹے نہیں ہیں'' اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پہلی جماعت کے کچھ ارکان دوسری جماعت کے کچھ ارکان میں شامل نہیں ہیں۔ یعنی'' کچھ سیاست دان جھوٹے نہیں ہیں''۔

کمیت، کیفیت اور قضایا کی جامعیت
(Quantity, Quality and Distribution of Propositions)

قضیہ وہ جملہ ہوتا ہے جس میں کسی شے کا اقرار یا انکار پایا جاتا ہے۔ یونانی فلسفی ارسطو(Aristotle) کے خیال میں منطق قوانین فکر کا مطالعہ ہے اور فکر سے ارسطو کی مراد نتائج فکر ہے نہ کہ عمل فکر۔ ارسطوئی منطق میں حد (Term) منطق کی بنیادی اکائی ہے، جو تصور کو الفاظ میں بیان کرنے کا نام ہے۔

اس لئے جب دو حدود کے درمیان اقرار یا انکار کا رشتہ قائم ہو تو اس کو حکم (Judgement) کہتے ہیں اور جب اس حکم کو الفاظ میں بیان کیا جائے تو یہ قضیہ ہوتا ہے۔ مثلاً تمام انسان فانی ہیں۔ اس میں'' انسان'' اور'' فانی'' دو حدود ہیں۔ ان کے درمیان اقرار یا اثبات کا رشتہ قائم ہے یعنی انسان کے فانی ہونے کا اقرار کیا گیا ہے لہٰذا ارسطو کی منطق کے مطابق یہ ایک حکم ہے اور اسے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جو ایک قضیے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

اسی طرح ''تمام طلبا حاضر ہیں''، ''تمام آم میٹھے ہیں''، ''تمام کوے سیاہ ہیں'' یہ اقرار والے قضیے ہیں کیونکہ ان میں نسبت حکمیہ ''ہیں'' کی وجہ سے دو حدود کے درمیان اقرار کا رشتہ پایا جاتا ہے۔ جب کہ'' تمام طلبا حاضر نہیں ہیں''، ''تمام آم میٹھے

نہیں ہیں"۔"تمام افراد سیاح نہیں ہیں"۔ یہ انکار والے قضیے ہیں کیونکہ ان میں نسبت حکمیہ "نہیں ہیں" کی وجہ سے دو حدود کے درمیان انکار کا رشتہ پایا جاتا ہے۔

ارسطو نے قضایا (Propositions) کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ ہر قسم کی کوئی نہ کوئی وجہ یا بنیاد ضرور قائم کی گئی ہے۔ مثلاً

1۔ ترکیب کے لحاظ سے .... مفرد اور مرکب قضایا
(Simple and Compound Propositions on the basis of composition)

2۔ کمیت کے لحاظ سے .... کلیہ اور جزئیہ قضایا
(Univeral and Particular Propositions on the basis of Quantity)

3۔ کیفیت کے لحاظ سے .... موجبہ اور سالبہ قضایا
(Affirmative and Negtive Propositions on the basis of Quality)

4۔ نسبت کے لحاظ سے .... حملی، شرطیہ اور منفصلہ قضایا
(Categorical, Hypothetical and Disjunctive Propositions on the basis of relations)

5۔ جہت کے لحاظ سے .... ضروری، حادثیہ اور احتمالیہ قضایا
(Necessary, Assertory and Problematic Propositions on the basis of modality)

6۔ بلحاظ مفہوم .... تحلیلی اور ترکیبی قضایا
(Verbal or Analytical and Real or Synthetic Propositions on the basis of meaning)

ارسطو کی منطق میں قضیوں کی بے حد اہمیت ہے۔ عمومی معنوں میں قضیوں کی دو بڑی اقسام سادہ قضیے اور مرکب قضیے بیان کی جاتی ہیں۔ یعنی جس قضیے میں صرف ایک موضوع اور ایک محمول ہو وہ سادہ قضیہ ہوتا ہے۔ مثلاً "تمام انسان فانی ہیں"۔ جس قضیے میں ایک سے زیادہ موضوع اور محمول ہوں وہ مرکب قضیہ ہوتا ہے۔ مثلاً "زید اور اس کا بھائی بیمار ہیں"۔

اب ہم زیادہ اہم اور ضروری اقسام کی وضاحت کرتے ہیں جن کی منطق میں بار بار ضرورت پڑتی ہے۔ وہ ہیں کمیت (Quantity) اور کیفیت (Quality) کے لحاظ سے قضیوں کی اقسام۔ کمیت (Quality) کے لحاظ سے قضیوں کی دو اقسام ہیں۔ کمیت میں مقدار ظاہر کی جاتی ہے۔

1۔ کلیہ قضیے (Universal Propositions)

2۔ جزئیہ قضیے (Particular Propositions)

1۔ کلیہ قضیے (Univerersal Propositions)

کلیہ قضیے وہ قضیے ہوتے ہیں جن میں موضوع اپنی تعبیر کے لحاظ سے مکمل طور پر لیا گیا ہو۔ یعنی جن میں

محمول (Predicate) کا اقرار یا انکار موضوع (Subject) کی پوری جماعت کے متعلق کیا جائے۔ مثلاً "تمام انسان فانی ہیں"، "تمام کوے سیاہ ہیں"، "تمام آم میٹھے ہیں"۔ ان تینوں مثالوں میں کل جماعت کے متعلق اقرار کیا گیا ہے یعنی پہلی مثال میں "انسان" کی کل جماعت کے "فانی" ہونے کا اقرار یا اثبات کیا گیا ہے۔ دوسری مثال میں "کوے" کی تمام جماعت کے "سیاہ" ہونے کا اقرار کیا گیا ہے اور اسی طرح تیسری مثال میں "آم" کی تمام جماعت کے "میٹھے" ہونے کا اقرار کیا گیا ہے۔

اگر ایک قضیے میں کل سو اکائیاں ہوں اور تمام اکائیوں کو مثبت یا منفی کیا گیا ہو تو ہم اس قضیے کو کلیہ قضیہ کہیں گے کیونکہ اس میں کل کی بات کی گئی ہے۔ تمام کے تمام ممبران یا افراد ایک ہی طرح کے ہوں یعنی یا تو تمام حاضر ہوں یا پھر تمام حاضر نہ ہوں تو اس کے بارے میں قائم کئے گئے قضیے کو کلیہ قضیہ کہیں گے مثلاً "فلسفے کی کلاس کے تمام طلبا حاضر ہیں" یہ ایک کلیہ قضیہ ہے اور اگر یہ بھی کہیں کہ فلسفے کی کلاس کے تمام طلبا حاضر نہیں ہیں" تو یہ بھی ایک کلیہ قضیہ ہے۔ پہلے قضیے میں کل کے حاضر ہونے کا اقرار کیا گیا ہے جبکہ دوسرے قضیے میں کل کے حاضر ہونے کا انکار کیا گیا ہے۔ کلیہ قضیے کو ظاہر کرنے کے لئے تمام، سب، کل وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

2- جزئیہ قضیے (Particular Propositions)

جزئیہ قضیہ وہ قضیہ ہوتا ہے جس میں تمام اکائیوں کے بجائے کچھ اکائیاں لی جاتی ہیں۔ اس کچھ سے مراد ایک جز ہے اور یہ جز بڑا بھی ہوسکتا ہے اور چھوٹا بھی۔ یعنی کل اکائیاں اگر سو ہیں ان میں سے ننانوے کے بارے میں اقرار یا انکار کیا گیا ہے تو یہ جزئیہ قضیہ ہے۔ اسی طرح اگر سو میں سے ننانوے کے بجائے ایک اکائی کے بارے میں اقرار یا انکار کیا گیا ہے تو یہ بھی جزئیہ قضیہ ہے۔ ننانوے اکائیوں والا جز بڑا ہے اور ایک اکائی والا جز چھوٹا ہے لیکن ہے جز ہی۔

جزئیہ قضیہ میں موضوع اپنی تعبیر کے لحاظ سے مکمل نہیں لیا جاتا بلکہ اس کا کچھ حصہ یعنی جز لیا جاتا ہے یعنی جس قضیے میں محمول کا اقرار یا انکار موضوع کی جماعت کے کچھ حصے کے متعلق ہوتا ہے اسے جزئیہ قضیہ کہتے ہیں۔ مثلاً

"کچھ آدمی ایماندار ہیں"۔ "کچھ میز گول نہیں ہیں"۔

پہلے قضیے میں "آدمی" کی جماعت کے کچھ حصے کے "ایماندار" ہونے کا اقرار کیا گیا ہے جبکہ دوسرے قضیے میں کچھ "میز" کے "گول" ہونے کا انکار کیا گیا ہے۔ جزئیہ قضیہ کی مزید مثالیں لیجئے۔

"کچھ طلبا ذہین ہیں"۔ "بعض مسافر سوئے ہوئے ہیں"۔ "چند آم میٹھے ہیں"۔ "کچھ طلبا حاضر نہیں ہیں"۔ "کچھ طلبا شادی شدہ ہیں"۔

جزئیہ قضیہ میں موضوع (Subject) کی جماعت کے ایک حصے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے یعنی جزئیہ قضیے میں محمول (Predicate) کا تعلق موضوع کی پوری جماعت سے نہیں ہوتا بلکہ جماعت کے کچھ حصے سے ہوتا ہے۔ جزئیہ قضیہ کے لیے کچھ، بعض، چند، عموماً، عام طور پر، اکثر، بہت سے، تقریباً، وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

کیفیت (Quality) کے لحاظ سے قضیوں کی دو اقسام ہیں۔

کیفیت میں خاصیت ظاہر کی جاتی ہے۔

1۔ موجبہ قضیے (Affirmative Proposition)

2۔ سالبہ قضیے (Negative Proposition)

1۔ موجبہ قضیے (Affirmative Proposition)

جس قضیہ میں محمول کا موضوع کے متعلق اقرار پایا جائے اسے موجبہ قضیہ کہتے ہیں۔ جس قضیے کی جماعت کے افراد یا ممبران مثبت ہوں، اقرار پایا جائے۔ نسبتِ حکمیہ "ہے" یا "ہیں" استعمال ہو۔ وہ قضیہ موجبہ قضیہ یا مثبت قضیہ ہوتا ہے یعنی اپنی خاصیت یا خوبی کے لحاظ سے موجبہ قضیہ مثبت قضیہ ہوتا ہے۔

مثلاً "انسان فانی ہیں"۔ "کوے سیاہ ہیں"۔ "آم میٹھے ہیں"۔ "فلسفے کے طلبا ذہین ہیں"، یہ سب موجبہ یا مثبت قضیے ہیں کیونکہ ان میں محمول کا موضوع کے متعلق اقرار یا اثبات پایا جاتا ہے۔ نسبتِ حکمیہ "ہیں"۔ مثبت ہے۔ "ا ب ہے"۔ "ج د ہے" وغیرہ

کیفیت کے لحاظ سے قضیوں کی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے کہ قضیہ خواہ کلیہ ہو یا جزئیہ لیکن اگر اس میں اقرار کی صورت ہے تو وہ موجبہ قضیہ ہے اور اگر انکار کی صورت ہے تو سالبہ قضیہ ہے۔

2۔ سالبہ قضیے (Negative Proposition)

سالبہ قضیہ وہ قضیہ ہوتا ہے جس میں محمول کا موضوع کے متعلق انکار پایا جائے۔ سالبہ قضیے میں نسبتِ حکمیہ موضوع اور محمول کے درمیان اختلاف یا انکار کا تعلق پیدا کرتی ہے۔ سالبہ قضیے میں نسبتِ حکمیہ "نہیں ہے" یا "نہیں ہیں" کی صورت میں استعمال کی جاتی ہے مثلاً "طلبا ذہین نہیں ہیں"۔ "آم میٹھا نہیں ہے"۔ "فلسفے کے طلبا لائق نہیں ہیں"۔ "ا ب نہیں ہے"۔ "ج د نہیں ہے"۔ کیفیت میں قضیے کی خاصیت، یا خوبی کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ اس کا پتہ نسبتِ حکمیہ سے چلتا ہے۔ موجبہ قضیہ میں نسبتِ حکمیہ مثبت اور سالبہ قضیے میں نسبتِ حکمیہ منفی ہوتی ہے لیکن موضوع یا محمول مثبت یا منفی ہونے سے قضیے کی کیفیت کا کوئی تعلق نہیں۔ مثبت یا منفی صرف "ہے"، "ہیں"، "نہیں ہے" اور "نہیں ہیں" سے ظاہر ہوتا ہے مثلاً "انسان فانی ہے"۔ "طلبا حاضر ہیں"۔ "درخت کمرے نہیں ہیں"۔ "برف ٹھنڈی ہے"۔ "پانی گرم نہیں ہے"۔ وغیرہ وغیرہ۔

قضیوں میں حدود کی جامعیت

(Distribution of Terms in Propositions)

دو حدود کے متعلق ایک حکم (Judgement) کو قضیہ کہا جاتا ہے۔ کمیت اور کیفیت کے باہمی تعلق سے چار بنیادی قضیے بنتے ہیں۔ "ا" (A)، "ع" (E)، "ی" (I)، "و" (O)۔ ان قضیوں میں موضوع اور محمول، دو حدود پائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی حد خواہ وہ کسی قضیے میں موضوع ہو یا محمول اپنی تعبیر (Connotation) دلالتِ افرادی کے لحاظ سے بحیثیت کل استعمال ہو تو وہ حد جامع (Distributed) ہوگی اور اگر کوئی حد خواہ وہ کسی قضیے میں موضوع ہو یا محمول اپنی تعبیر (Connotation) دلالتِ

افرادی کے لحاظ سے بحیثیت جزو استعمال ہو تو وہ حد غیر جامع (Undistributed) ہوگی۔ مثلاً کلیہ موجبہ اور کلیہ سالبہ قضایا میں کسی جماعت کو کل کی حیثیت سے لیا گیا ہے۔ اس لئے ان دونوں قضیوں میں حدود کی صورت یوں ہوگی۔

"ز" کلیہ موجبہ قضیہ

تمام انسان فانی ہیں۔ تمام کوے سیاہ ہیں۔ تمام س پ ہیں۔ ان قضیوں میں موضوع کی مکمل تعبیر کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسا کہ لفظ "تمام" سے واضح ہوتا ہے لہٰذا کلیہ موجبہ قضیہ میں موضوع ہمیشہ جامع ہوتا ہے لیکن محمول کی مکمل تعبیر کی طرف اشارہ نہیں ملتا۔ جب ہم کہتے ہیں کہ "تمام انسان فانی ہیں"، تو ہمارا اشارہ موضوع یعنی "انسان" کی تمام جماعت کی طرف ہوتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ محمول یعنی "فانی" کی تمام جماعت کی طرف بھی اشارہ ہے یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ تمام فانی اشیاء انسان ہوتی ہیں۔ صرف تمام انسان کے فانی ہونے کی بات کی گئی ہے اس لئے "فانی" کل کی حیثیت سے نہیں آیا لہٰذا یہ حد غیر جامع ہوگی۔ قضیہ "ز" کلیہ موجبہ میں موضوع "انسان" جامع حد اور محمول "فانی" غیر جامع حد ہیں۔

"ع" کلیہ سالبہ قضیہ

تمام انسان فانی نہیں ہیں۔ تمام کوے سیاہ نہیں ہیں۔ تمام س پ نہیں ہیں۔ ان قضیوں میں موضوع اور محمول، دونوں کی مکمل تعبیر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ "تمام انسان فانی نہیں ہیں"، تو اس میں "تمام انسان" اور "تمام فانی" کی طرف اشارہ ہے یعنی تمام فانی میں سے کوئی بھی انسان نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تمام س، پ سے خارج ہیں اور تمام پ، س سے خارج ہیں لہٰذا کلیہ سالبہ قضیہ میں موضوع اور محمول، دونوں جامع ہوتے ہیں۔

"ی" جزئیہ موجبہ قضیہ

کچھ آم میٹھے ہیں۔ کچھ انسان فانی ہیں۔ کچھ کوے سیاہ ہیں۔ کچھ س پ ہیں۔ ان قضیوں میں "کچھ آم"، "کچھ انسان" اور "کچھ کوے" میں لفظ "کچھ" سے ظاہر ہوتا ہے کہ موضوع کو مکمل طور پر نہیں لیا گیا۔ لہٰذا یہ واضح طور پر نظر آرہا ہے کہ یہاں موضوع غیر جامع ہے اور محمول کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کچھ آم میٹھے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارا اشارہ تمام میٹھی چیزوں کی طرف نہیں ہے یعنی تمام آم تمام میٹھی اشیاء نہیں ہیں۔ کچھ آم کچھ میٹھی اشیاء ہیں۔ کچھ انسان کے کچھ فانی، کچھ کوے کے کچھ سیاہ، کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ لہٰذا محمول بھی غیر جامع ہے۔ جزئیہ موجبہ قضیہ میں موضوع اور محمول حدود، دونوں غیر جامع ہیں۔

"و" جزئیہ سالبہ قضیہ

کچھ انسان فانی نہیں ہیں۔ کچھ گھوڑے سفید نہیں ہیں۔ کچھ کوے سیاہ نہیں ہیں۔ کچھ س پ نہیں ہیں۔ ان جزئیہ سالبہ قضیوں میں موضوع واضح طور پر غیر جامع ہے کیونکہ اس کے ساتھ "کچھ" کا لفظ ہی یہ بتاتا ہے کہ موضوع کو کل کی حیثیت سے نہیں لیا گیا لیکن محمول کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ "کچھ س، پ نہیں ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ کچھ "س" تمام "پ" سے خارج ہیں۔ کچھ

کوے تمام سیاہ اشیاء سے خارج ہیں۔ کچھ انسان تمام فانی اشیاء سے خارج ہیں لہذا جزئیہ سالبہ قضیہ میں محمول بحیثیت کل استعمال ہوا ہے۔ اس لئے یہ حد یعنی محمول جامع ہے۔ جزئیہ سالبہ قضیہ میں موضوع غیر جامع اور محمول جامع ہوتا ہے۔

قضیے کی چار اساسی اشکال کے حدود کے جامع اور غیر جامع ہونے کو درج ذیل گوشوارے میں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

Predicate	محمول	Subject	موضوع	قضیہ	
Undistributed	غیر جامع	Distributed	جامع	A	ل
Distributed	جامع	Distributed	جامع	E	ع
Undistributed	غیر جامع	Undistributed	غیر جامع	I	ی
Distributed	جامع	Undistributed	غیر جامع	O	و

قضیوں کی چار معیاری اشکال
(Four Standard Forms of Propositions)

قضیوں کی کئی ایک اقسام ہیں۔ ان میں سے اہم کمیت او کیفیت کے لحاظ سے دو قسمیں بنتی ہیں۔ کمیت کے لحاظ سے کلیہ اور جزئیہ قضیے اور اسی طرح کیفیت کے لحاظ سے موجبہ اور سالبہ قضیے ہیں۔ اگر ان اقسام کو یک جا کیا جائے تو کیفیت اور کمیت کو بنیاد بناتے ہوئے قضیوں کی چار بنیادی، معیاری اور اساسی اقسام یا اشکال بنتی ہیں۔

کوئی قضیہ اگر کلیہ ہے تو وہ کلی طور پر مثبت بھی ہو سکتا ہے اور منفی بھی۔ کوئی قضیہ اگر جزئیہ ہے تو وہ جزوی طور پر مثبت بھی ہو سکتا ہے اور منفی بھی۔ یہ چار اشکال درج ذیل ہیں جن کو اردو اور انگریزی حروف سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ حروف نشانات (Signs) کی حیثیت رکھتے ہیں۔

کلیہ موجبہ ...... ل ...... A

کلیہ سالبہ ...... ع ...... E

جزئیہ موجبہ...... ی — I

جزئیہ سالبہ...... و — O

ان قضیوں کی مثالیں ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

کلیہ موجبہ ...... ل ...... A　　تمام انسان فانی ہیں۔

تمام آم میٹھے ہیں۔

تمام کھلاڑی ذہین ہیں۔

کلیہ سالبہ ---- ع ---- E تمام انسان فانی نہیں ہیں۔

تمام آم میٹھے نہیں ہیں۔

تمام کھلاڑی ذہین نہیں ہیں۔

جزئیہ موجبہ ---- ی ---- I کچھ انسان فانی ہیں۔

کچھ آم میٹھے ہیں۔

کچھ کھلاڑی ذہین ہیں۔

جزئیہ سالبہ ---- و ---- O کچھ انسان فانی نہیں ہیں۔

کچھ آم میٹھے نہیں ہیں۔

کچھ کھلاڑی ذہین نہیں ہیں۔

ان چار اساسی قضیوں میں دو مثبت ہیں اور دو منفی یعنی کلیہ موجبہ اور جزئیہ موجبہ دونوں مثبت ہیں (ذ اور ی) (A----I) کلیہ سالبہ اور جزئیہ سالبہ دونوں منفی ہیں (ع اور و) (E----O) ان اقسام کو گوشوارے میں یوں ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

Quantity....کمیت	Quality....کیفیت	Proposition....قضیہ
Universal....کلیہ	Affirmative....موجبہ	A ..... ذ
Universal....کلیہ	Negative....سالبہ	E ..... ع
Particular....جزئیہ	Affirmative....موجبہ	I ..... ی
Particular....جزئیہ	Negative....سالبہ	O ..... و

روایتی مربع اختلافات قضایا

(Traditional Square of Opposition of Propositions)

قضیوں کی چار بنیادی اشکال کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے آپس میں اکٹھی کرنے سے بنتی ہیں۔ "ذ"(A)، "ع"(E)، "ی"(I)، "و"(O)، یہ قضیے اپنی نوعیت کے اعتبار سے کیفیت اور کمیت دونوں لحاظ سے آپس میں مختلف ہیں۔

اس طرح قضیوں کی ان چار بنیادی اشکال کے باہمی تعلقات بھی پائے جاتے ہیں اور اختلافات بھی۔ مزید سمجھنے کے لئے یہ مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

"تمام انسان فانی ہیں" اس کلیہ موجبہ قضیے میں اگر حد "انسان" کی جگہ نشان کے طور پر حرف "س" اور حد "فانی" کی جگہ نشان کے طور پر حرف "پ" لکھا جائے تو شکل یوں بنے گی۔

انسان ---- س (S)

فانی ...... پ (P)

☆ تمام انسان فانی ہیں۔

تمام س پ ہیں۔ ل ..... (A) قضیہ (All s is P)

☆ تمام انسان فانی نہیں ہیں۔

تمام س پ نہیں ہیں۔ ع --- (E) قضیہ (All S is not P)

☆ کچھ انسان فانی ہیں۔

کچھ س پ ہیں۔ ی --- (I) قضیہ (Some S is P)

☆ کچھ انسان فانی نہیں ہیں۔

کچھ س پ نہیں ہیں۔ و ---- (O) قضیہ (Some S is not P)

قضیوں کے باہمی تعلقات کے علاوہ ان کے اختلافات بھی ہیں۔ ان باہمی اختلافات اور تعلقات کو جیومیٹری کی شکل مربع میں بھی ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

اسے مربع اختلافات (Square of Oppositions) یا مربع نسبتی (Square of Relations) کہا جاتا ہے۔ اس کو گراف میں یوں ظاہر کیا جاتا ہے۔

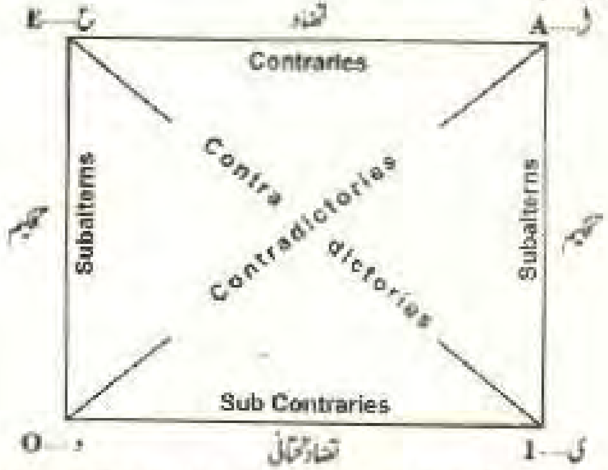

مربع اختلافات قضایا میں چاروں قضیوں "ل" (A)، "ع" (E)، "ی" (I)، "و" (O)، میں چار ہی قسم کے باہمی اختلافات یا تعلقات پائے جاتے ہیں۔ اگر ان کا بخوبی جائزہ لیں تو ان کی یہ صورتیں بنتی ہیں۔

1۔ "ل" (A) اور "ی" (I)، میں ایک جانب اور "ع" (E) اور "و" (O) میں دوسری جانب تحکیم (Subaltern) کا تعلق یا اختلاف پایا جاتا ہے۔

2۔ "ا"(A) اور "و"(O) میں ایک جانب اور "ع"(E) اور "ی"(I) میں دوسری جانب تناقض (Contradictories) کا تعلق یا اختلاف پایا جاتا ہے۔

3۔ "ا"(A) اور "ع"(E) میں تضاد (Contrary) کا تعلق یا اختلاف پایا جاتا ہے۔

4۔ "ی"(I) اور "و"(O) میں تضاد تحتانی (Sub-Contrary) کا تعلق یا اختلاف پایا جاتا ہے۔

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ چاروں قضیوں، "ا"(A)، "ع"(E)، "ی"(I)، "و" (O)، میں موضوع اور محمول اگر ایک ہی ہوں لیکن یہ سب قضیے ایک دوسرے سے "کیفیت" یا "کمیت" یا پھر "کیفیت اور کمیت" ان دونوں اعتبار سے آپس میں مختلف ہوں تو ان کے باہمی اختلافات یا تعلقات کو ایک مربع شکل میں ظاہر کرنے سے مربع اختلافات قضایا کہا جاتا ہے۔

1- تحکیم (Subaltern)

جن قضیوں میں کمیت کا اختلاف ہو اور موضوع و محمول ایک ہی ہوں، ان کا آپس میں تعلق یا اختلاف تحکیم کہلاتا ہے۔ ان میں کیفیت کا اختلاف نہیں ہوتا۔ تحکیم کا تعلق کسی کلیہ قضیے اور اس کی اپنی کیفیت والے جزئیہ قضیے میں ہوتا ہے۔ مثلاً:

Proposition ...(A) All S is P.   قضیہ ... ا تمام س پ ہیں۔

Proposition ...(I) Some S is P.   قضیہ ... ی کچھ س پ ہیں۔

ان دونوں قضیوں میں نسبت تحکیم پائی جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری جانب بھی ایسا ہی ہے۔

Proposition ...(E) All S is not P.   قضیہ ... ع تمام س پ نہیں ہیں۔

Proposition ...(O) Some S is not P.   قضیہ ... و کچھ س پ نہیں ہیں۔

ان دونوں قضیوں میں بھی تحکیم پائی جاتی ہے۔ تحکیم کی ٹھوس مثالیں یہ ہیں۔

(A) All men are wise.   (ا) تمام انسان دانا ہیں۔

(I) Some men are wise.   (ی) کچھ انسان دانا ہیں۔

ان دونوں قضیوں "ا" اور "ی" میں تحکیم کا تعلق ہے اسی طرح دیگر دونوں قضیوں "ع" اور "و" میں تحکیم پائی جاتی ہے۔ مثلاً:

(E) All men are not wise.   (ع) تمام انسان دانا نہیں ہیں۔

(O) Some men are not wise.   (و) کچھ انسان دانا نہیں ہیں۔

تحکیم کے دو اہم اصول ہیں۔

1۔ اگر کلیہ سچ ہو تو جزئیہ بھی سچ ہوتا ہے لیکن اگر کلیہ جھوٹ ہو تو جزئیہ مشتبہ یا نامعلوم ہوتا ہے۔

2۔ اگر جزئیہ سچ ہو تو کلیہ مشتبہ یا نامعلوم ہوتا ہے لیکن اگر جزئیہ جھوٹ ہو تو کلیہ بھی جھوٹ ہوتا ہے۔

تحکیم کے ان اصولوں کے مطابق کلیہ کے سچ ہونے سے جزئیہ کا سچ ہونا لازم آتا ہے لیکن کلیہ کے جھوٹ ہونے سے جزئیہ کا سچ یا جھوٹ لازم نہیں آتا۔ اسی طرح اس کے اُلٹ، جزئیہ کے جھوٹ ہونے سے کلیہ کا جھوٹ لازم آتا ہے لیکن جزئیہ کے سچ سے کلیہ کا سچ یا جھوٹ ہونا لازم نہیں آتا۔ مثلاً:

If A is true,then I will be true.	اگر ڈ سچ ہو تو ی سچ ہوگا۔
If A is false,then I will be doubtful.	اگر ڈ جھوٹ ہو تو ی مشتبہ ہوگا۔
If E is true,then O will be true.	اگر ع سچ ہو تو و سچ ہوگا۔
If E is false,then O will be doubtful.	اگر ع جھوٹ ہو تو و مشتبہ ہوگا۔
If I is true,then A will be doubtful.	اگر ی سچ ہو تو ڈ مشتبہ ہوگا۔
If I is false,then A will be false.	اگر و جھوٹ ہو تو ڈ جھوٹ ہوگا۔
If O is true,then E will be doubtful.	اگر و سچ ہو تو ع مشتبہ ہوگا۔
If I is false,then A will be false.	اگر و جھوٹ ہو تو ع جھوٹ ہوگا۔

2۔ تناقض (Contradictory)

ایک ہی موضوع اور محمول والے قضیے کیفیت اور کمیت دونوں لحاظ سے مختلف ہوں تو ان کا آپس میں تعلق یا اختلاف تناقض کہلاتا ہے۔ تناقض کا تعلق ایک کلیہ اور ایک مختلف کیفیت رکھنے والے جزئیہ کے درمیان میں ہوتا ہے۔ مثلاً:

Proposition ...(A) All S is P.	قضیہ ... ڈ تمام س پ ہیں۔
Proposition ...(O) Some S is not P.	قضیہ ... و کچھ س پ نہیں ہیں۔

ان دونوں "ڈ" اور "و" قضیوں میں تناقض کا تعلق پایا جاتا ہے۔ اسی طرح:

Proposition ...(E) All S is not P.	قضیہ ... ع تمام س پ نہیں ہیں۔
Proposition ...(I) Some S is P.	قضیہ ... ی کچھ س پ ہیں۔

ان دونوں "ع" اور "ی" قضیوں میں تناقض کی نسبت پائی جاتی ہے۔ ان کی ٹھوس مثالیں یہ ہیں۔

(A) All men are doctors.	(ڈ) تمام آدمی ڈاکٹر ہیں۔
(O) Some men are not doctors.	(و) کچھ آدمی ڈاکٹر نہیں ہیں۔

ان دونوں قضیوں "ڈ" اور "و" میں تناقض کا تعلق ہے اسی طرح دیگر دونوں قضیوں "ع" اور "ی" میں تناقض پایا جاتا ہے۔ مثلاً:

(E) All men are not doctors.	(ع) تمام آدمی ڈاکٹر نہیں ہیں۔
(I) Some men are doctors.	(ی) کچھ آدمی ڈاکٹر ہیں۔

ایسے مختلف جوڑوں میں دونوں قضیے نقیضین (Contradictories) ہیں "ق" اور "و" ایک دوسرے کے اور "ع" اور "ی" ایک دوسرے کے نقیضین ہیں۔

3۔ تضاد (Contrary)

اگر دو کلیہ قضیوں میں موضوع اور محمول ایک ہی ہوں لیکن وہ قضیے آپس میں کیفیت کے لحاظ سے مختلف ہوں تو ان کا آپس میں تعلق یا اختلاف تضاد کہلاتا ہے۔ اس کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ تضاد کا تعلق مختلف کیفیت رکھنے والے دو کلیہ قضیوں کے درمیان میں ہوتا ہے۔ مثلاً:

Proposition ...(A) All S is P.	قضیہ ... ق تمام س پ ہیں۔
Proposition ...(E) All S is not P.	قضیہ ... ع تمام س پ نہیں ہیں۔

ان دونوں "ق" اور "ع" قضیوں میں تضاد کی نسبت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح:

(A) All men are doctors.	(ق) تمام آدمی ڈاکٹر ہیں۔
(E) All men are not doctors.	(ع) تمام آدمی ڈاکٹر نہیں ہیں۔

یہ دونوں قضیے آپس میں تضاد کا تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے مختلف کلیہ قضیوں کے جوڑوں میں دونوں قضیے ضدین (Contraries) کہلاتے ہیں۔ قضیہ "ق" ایک کلیہ موجبہ قضیہ ہے اور "ع" بھی ایک کلیہ سالبہ قضیہ ہے۔ یہ دونوں قضیے ایک دوسرے کی ضد (Contrary) ہیں۔

4۔ تضاد تحتانی (Sub-Contrary)

اگر دو جزئیہ قضیوں میں موضوع اور محمول ایک ہی ہوں لیکن وہ قضیے آپس میں کیفیت کے لحاظ سے مختلف ہوں تو ان کا آپس میں تعلق یا اختلاف تضاد تحتانی کہلاتا ہے۔ اس کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ تضاد تحتانی کا تعلق مختلف کیفیت رکھنے والے دو جزئیہ قضیوں کے درمیان میں ہوتا ہے۔ مثلاً:

Proposition ...(I) Some S is P.	قضیہ ... ی کچھ س پ ہیں۔
Proposition ...(O) Some S is not P.	قضیہ ... و کچھ س پ نہیں ہیں۔

ان دونوں "ی" اور "و" قضیوں میں تضاد تحتانی کی نسبت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح

(I) Some men are doctors.	(ی) کچھ آدمی ڈاکٹر ہیں۔
(O) Some men are not doctors.	(و) کچھ آدمی ڈاکٹر نہیں ہیں۔

یہ دونوں قضیے آپس میں تضاد تحتانی کا تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے مختلف جزئیہ قضیوں کے جوڑوں میں دونوں قضیے ضد تحتانی (Sub-Contraries) کہلاتے ہیں۔ قضیہ "ی" ایک جزئیہ موجبہ قضیہ ہے اور "و" بھی ایک جزئیہ سالبہ قضیہ ہے۔ یہ دونوں

قضیے ایک دوسرے کی ضدِ تحتانی (Sub-Contrary) ہیں۔ تضادِ تحتانی کا اختلاف قضایا کے تضاد کے اختلاف کے بالکل الٹ ہوتا ہے۔

فکر کے اصول
(Laws of Thought)

علم منطق میں فکر کے اصولوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے یعنی منطق ہی فکر کے قوانین وضع کرتا ہے۔ وہ اصول طے کرتا ہے جن سے صحیح فکر ممکن ہوتا ہے۔ منطق کا موضوع فکر ہے اور منطق ہی یہ بتاتا ہے کہ ہمیں کس طرح فکر و استدلال کرنا چاہیے تاکہ ہم مختلف النوع فکری مغالطوں سے بچ سکیں۔ فکر ایک ایسا ذہنی عمل ہے جس سے سوچ بچار کے بعد صحیح نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔

فکر کے بنیادی اور اساسی اصول تین ہیں جو فکر کے لیے لازمی اور کافی ہیں۔ روایتی طور پر فکر کے تین اصول درج ذیل ہیں:

1۔ اصول عینیت (Law of Identity)

2۔ اصول مانع اجتماع نقیضین (Law of Non-Contradiction)

3۔ اصول خارج الاوسط (Law of Excluded Middle)

فکر کے یہ اصول اپنی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے منطق میں اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ جو بھی فکر کے اصولوں کا فہم رکھتے ہیں۔ وہ علمی، فکری اور ادبی دھاروں کو جان جاتے ہیں۔ وہ تحریر، تقریر یا عام گفتگو میں بھی معنی اور اختصار کو مدِنظر رکھتے ہیں۔ صحیح فکر انہی پر مبنی ہوتی ہے۔ یہ فکر کو بنیاد مہیا کرنے والے اصول ہیں۔ اب ذیل میں فکر کے ان اصولوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔

1۔ اصول عینیت (Law of Identity)

اصول عینیت کو دراصل اصول شناخت بھی کہتے ہیں یعنی اس اصول کے تحت یہ طے کیا جاتا ہے کہ ہر شے کی کوئی نہ کوئی شناخت ضرور ہے۔ اس شے کی صفات کی بنا پر وہ شے آپ اپنا تعارف ہے۔ اس اصول کے مطابق جو شے ہے وہ وہی ہے جو کہ وہ ہے اس میں تبدیلی نہیں ہے۔ اگر تبدیلی ہو تو وہ تبدیلی کے ساتھ ایک نئی شے بن جاتی ہے۔ الف اگر کوئی ہونہار طالب علم ہے تو یہ الف کی شناخت ہے۔ اصول عینیت کے تحت ہر شے کی شناخت ہی یہ ہے کہ ہر شے وہی ہے جو کہ وہ ہے۔ ایک دھات، دھات ہے۔ پتھر، پتھر ہے۔ کرسی، کرسی ہے اور آدمی فانی ہے تو وہ فانی ہے۔ کوے سیاہ ہیں تو وہ سیاہ ہیں۔ آم، سرخ ہیں تو سرخ ہیں۔ پانی، مائع ہے تو مائع ہے۔ یہ تمام مثالیں مختلف اشیاء کی صفات کا اقرار کرتی ہیں۔

اصول عینیت کے تحت کسی شے کے ہونے کی صفات کی بنا پر اس کی شناخت ہے اور جب تک اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی تو وہ شے وہی ہے جو کہ وہ ہے۔ وہ صفات جو کسی شے میں پائی جاتی ہیں وہ ہمیشہ ہی اس میں پائی جاتی ہیں۔ جس وجہ سے وقت بدلنے پر بھی اس شے کی وہی شناخت رہتی ہے جو وہ ہے۔

مثلاً دودھ کو دودھ ہی کہا جاتا ہے۔ جب اس میں کیمیائی تبدیلی ہوتی ہے تو وہ دودھ سے دہی بن جاتا ہے۔ پھر دہی کو دہی کہیں گے کہ اس کی یہی شناخت ہے۔ اصول عینیت کے مطابق دودھ کو اس وقت تک دودھ ہی کہا جائے گا جب تک وہ دودھ کی صفات رکھتا ہے لیکن جب سے اس کی ہیئت اور فطرت میں تبدیلی کی وجہ سے دہی بن جاتا ہے تو اس کو دہی کہنا شروع کر دیں گے۔

اسی طرح اگر کوئی لڑکا جب تک وہ عمر کے لحاظ سے نوجوان ہے تو اس کو نوجوان ہی کہا جائے گا کیونکہ نوجوان ہونا ہی اس کی شناخت ہے لیکن عمر بڑھنے پر جب یہی لڑکا بڑا ہو کر بزرگ بن جائے گا تو اس کو لڑکا نہیں بلکہ بزرگ یا بوڑھا کہا جائے گا۔ کیونکہ عمر اور جسمانی ساخت میں تبدیلی کی وجہ سے وہ اب لڑکا نہیں رہا بلکہ بزرگ یا بوڑھا بن گیا ہے۔ اصول عینیت کے مطابق جب وہ لڑکا تھا تو اس کو لڑکا ہی کہاجاتا تھا یا کہا جانا چاہیے تھا لیکن جب وہ بوڑھا ہوگا تو اسے بوڑھا ہی کہا جائے گا۔

فکر کے اس اہم اصول، اصول عینیت یا اصول شناخت کے تحت کوئی شے جو ہے وہ وہی ہے۔ کتاب، کتاب ہے۔ قلم، قلم ہے۔ پنسل، پنسل ہے۔ سکول، سکول ہے اور کالج، کالج ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہی ان کی شناخت ہے۔

2۔ اصول مانع اجتماع نقیضین (Law of Non-Contradiction)

فکر کے اصول مانع اجتماع نقیضین کے مطابق دو متضاد اشیاء ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ اکٹھی نہیں ہوسکتیں، یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شے ہے بھی اور اسی وقت نہیں بھی ہے مثلاً ہم اس اصول کے تحت یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص اس وقت زندہ بھی ہے اور زندہ نہیں بھی ہے، یعنی وہ زندہ ہے اور مرا ہوا بھی ہے۔ زندگی اور موت دو متضاد صفات ہیں یہ کسی صورت بھی ممکن نہیں کہ کسی شے میں زندگی کے آثار ہیں اور اسی وقت وہ موت کی صورت بھی رکھتا ہے، یعنی مرا ہوا ہے کیونکہ دو متضاد آپس میں اکٹھے نہیں ہوسکتے۔

اصول مانع اجتماع نقیضین کے مطابق کسی شے کی صفات جو اس میں پائی جاتی ہیں یا جن صفات کی وجہ سے وہ ہے اس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں ایک ہی وقت میں اس میں موجود نہیں ہوسکتیں۔ کسی طالب علم کے بارے میں یہ کہنا بالکل غلط ہوگا کہ وہ اس وقت کلاس میں حاضر ہے اور غیر حاضر بھی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ طالب علم کلاس میں بیٹھا اپنے استاد کا لیکچر سن رہا ہے اور ساتھ ہی اسی وقت وہ کلاس میں موجود بھی نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں سے صرف ایک صورت ممکن ہوسکتی ہے۔

کوئی پھول سرخ ہے اور غیر سرخ بھی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں۔ سرخ ہونے سے مراد ہے کہ اس کا رنگ سرخ ہے اور غیر سرخ ہونے سے مراد ہے کہ سرخ کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ بھی ہے۔ یہ دونوں متناقض صفات ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے کہ دو متناقض صفات ایک ہی وقت میں اکٹھی پائی جائیں۔ کسی شخص کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ مسلمان بھی ہے اور غیر مسلمان بھی ہے، یا تو وہ مسلمان ہوگا اور یا پھر مسلمان کے علاوہ کسی مذہب کو اختیار کئے ہوئے ہوگا، یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی مذہب کو بھی نہ مانتا ہو لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ مسلمان بھی ہو اور غیر مسلمان بھی۔ اصول مانع اجتماع نقیضین کے مطابق دو متناقض صفات ایک ہی وقت میں کسی ایک شے میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اس اصول کے تحت ان متناقض صفات کا اکٹھا ہونا منع ہے۔ کسی شے میں

ایک ہی وقت میں دو متناقض صفات ایک ہی مفہوم میں اکٹھی پائی نہیں جاسکتیں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اسلم لائق بھی ہے اور نالائق بھی ہے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ اسے کسی ایک مضمون میں دسترس حاصل ہو اور کسی دوسرے میں نہ ہو۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ جس مضمون میں لائق ہے۔ اس میں اسی وقت نالائق بھی ہو۔ اسی طرح یہ تو ممکن ہوسکتا ہے کہ اسلم لائق ہے اور اس کا دوسرا ہم جماعت اکرم نالائق ہے۔ کیونکہ یہ دو الگ الگ طالب علم ہیں۔

اس نکتہ کو سمجھنے کے لیے ایک اور مثال لیجئے کہ کوئی پھول ایک ہی وقت میں سرخ اور غیر سرخ نہیں ہوسکتا ہے۔ اسی وقت نیلا یا غیر نیلا نہیں ہوسکتا یا تو وہ نیلا ہوگا یا پھر نیلے کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ ہوگا۔

فکر کے اس دوسرے اہم اصول اصول مانع اجتماع نقیضین کا مطلب ہی یہ ہے کہ دو متناقض صفات ایک جگہ ایک ہی وقت درست نہیں ہوسکتیں۔ یہ حقائق کے منافی ہے کہ اس وقت دھوپ نکلی بھی ہوئی ہے اور دھوپ نہیں بھی نکلی ہوئی۔ ایک ٹب میں پانی ٹھنڈا بھی ہے اور وہی پانی اُسی وقت ٹھنڈا نہیں ہے۔ دودھ سفید بھی ہے اور وہی دودھ غیر سفید بھی ہے۔ کوئی کہے کہ بارش ہو رہی ہے اور اُس وقت اُسی جگہ نہیں بھی ہو رہی۔ ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ دو متناقض صفات ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ اکٹھی درست نہیں ہوسکتیں۔ اس اصول میں اہم نکتہ یہ ہے کہ صرف اس بات کی طرف توجہ دیتا ہے کہ دو متناقض صفات الگ الگ درست ہوں یا نہ ہوں لیکن ایک ہی جگہ ایک وقت میں ایک ہی شے میں درست نہیں ہوسکتیں۔

3۔ اصولِ خارج الاوسط (Law of Excluded Middle)

فکر کے اصول ہمیں علم منطق کی عمارت صحیح طور پر استوار کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اصولِ عینیت میں کسی شے کی شناخت معلوم ہوتی ہے۔ اصولِ مانع اجتماع نقیضین میں یہ بتایا جاتا ہے کہ صحیح فکر کے لیے ضروری ہے کہ دو متناقض صفات ایک ہی وقت میں ایک جگہ ایک ہی شے میں اکٹھی نہیں پائی جاسکتیں۔ یعنی دو نقیضین (Contradictories) ایک ہی وقت میں درست نہیں ہوسکتیں لیکن اصولِ خارج الاوسط کے مطابق دونوں نقیضین (Contradictories) غلط بھی نہیں ہوسکتیں۔ ان میں سے ایک ضرور صحیح ہوگی جبکہ دوسری نہیں، یعنی دو نقیضین (Contradictories) میں سے ایک موجود ہوگی اور دوسری خارج۔

اصولِ خارج الاوسط میں اصولِ مانع اجتماع نقیضین کو دوسرے انداز، طریق، پہلو اور نہج سے بیان کیا گیا ہے مثلاً اصولِ عینیت کے مطابق سرخ پھول وہ ہے جس میں سرخ پھول کی تمام صفات پائی جائیں۔ اصولِ مانع اجتماع نقیضین کے مطابق سرخ اور غیر سرخ کی صفات آپس میں نقیضین (Contradictories) ہیں، اس لیے یہ دونوں اکٹھی نہیں پائی جاسکتیں۔ جب کہ فکر کے تیسرے اور اہم اصول، اصولِ خارج الاوسط کے مطابق ان دونوں نقیضین میں سے ایک قسم کی صفات خارج کی جائیں گی اور ظاہر ہے غیر سرخ کی صفات خارج کی جائیں۔ باقی سرخ پھول کی صفات موجود رہیں گی جو اس پھول کے سرخ ہونے کی وجہ بنیں گی۔ یہی اس کی شناخت ہوگی۔

اسی طرح اسلم لائق یا نالائق ہے، یعنی ان دونوں نقیضین میں سے ایک قسم کی صفت نکال دی جائے گی اور دوسری موجود رہے گی۔ اگر لائق والی صفات نکال دی جائیں تو ہم کہیں گے کہ "اسلم نالائق ہے" اور اگر نالائق والی صفات خارج کی

جائیں گی تو ہم کہیں گے کہ "اسلم لائق ہے۔"

اصول مانع اجتماع نقیضین کے مطابق دو متناقض قضیے "اسلم نیک ہے" اور "اسلم غیر نیک ہے" بیک وقت درست نہیں ہو سکتے۔ اگر ان دونوں میں سے ایک درست ہے تو دوسرا ضرور غلط ہے اور اگر دوسرا درست ہے تو پہلا ضرور غلط ہے۔

جس طرح اصول مانع اجتماع نقیضین میں دونوں قضیوں کو بیک وقت درست نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح اصول خارج الاوسط کے مطابق دو متناقض قضیے غلط نہیں ہو سکتے۔ اگر ان میں سے ایک غلط ہے تو دوسرا ضرور درست ہے۔ دونوں درست نہیں ہو سکتے۔ اگر ان دونوں میں سے ایک درست ہے تو دوسرا ضرور غلط ہے اور اگر دوسرا درست ہے تو پہلا ضرور غلط ہے۔

جس طرح اصول مانع اجتماع نقیضین میں دونوں قضیوں کو بیک وقت درست نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح اصول خارج الاوسط کے مطابق دو متناقض قضیے غلط نہیں ہو سکتے۔ اگر ان میں سے ایک غلط ہے تو دوسرا ضرور درست ہوگا اور اگر دوسرا غلط ہے تو پہلا ضرور درست ہوگا۔

اصول خارج الاوسط کے مطابق دو نقیضین میں سے ایک درست ضرور ہوگا، مثلاً ہم زید کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ یا مسلمان ہے یا غیر مسلمان ہے۔ یعنی مذہب کی بنا پر دو نقیضین مسلمان اور غیر مسلمان میں سے ایک درست ضرور ہے۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ زید مسلمان ہے یا ہندو ہے کیونکہ یہ دونوں مذاہب ہیں۔ آپس میں نقیضین نہیں۔ نقیضین مسلمان یا غیر مسلمان ہیں۔

فکر کے اس تیسرے اہم اصول، اصول خارج الاوسط کے مطابق یہ بات نہایت اہم ہے کہ دو متناقض صفات والے قضیے ایک ہی وقت میں غلط نہیں ہو سکتے۔ ان میں ایک ضرور درست ہوگا اور یہ منطقی بات ہے کہ اگر ایک غلط ہوگا تو دوسرا یقیناً صحیح ہوگا۔ اصول خارج الاوسط کے مطابق، بیک وقت دن اور رات دونوں کا اکٹھا ہونا درست نہیں ہے، لیکن یہ بات بھی صحیح ہے کہ یہ دونوں غلط بھی نہیں ہیں یا تو دن کا وقت ہوگا یا پھر رات کا اور اگر دن کا وقت ہے تو پھر یقیناً رات کا وقت نہیں ہوگا۔ یعنی دونوں متناقض صفات میں سے ایک کو ضرور خارج کیا جائے گا یا ہونا ہوگا۔ جیسے یا تو کالج میں آج چھٹی کا دن ہے یا پھر چھٹی کا دن نہیں ہے۔ دونوں میں سے ایک امکان غلط ہوگا۔ جس طرح دونوں امکان درست نہیں ہو سکتے اسی طرح دونوں غلط بھی نہیں ہو سکتے۔

مشقی سوالات

انشائی طرز Subjective Type

سوال 1: مختصر جواب دیں:

i۔ حد کی تعریف لکھیں۔

ii۔ حکم سے کیا مراد ہے؟

iii۔ نسبت حکمیہ کی تعریف لکھیں۔

iv۔ قضیہ اور جملہ میں کیا فرق ہے؟

v۔ سادہ قضیہ اور مرکب قضیہ میں فرق بتائیں۔

vi۔ کلیہ قضیہ اور جزئیہ قضیہ سے کیا مراد ہے؟

vii۔ موجبہ قضیہ اور سالبہ قضیہ سے کیا مراد ہے؟

viii۔ کمیت اور کیفیت کے باہمی تعلق سے جو چار بنیادی قضیے بنتے ہیں ان کے نام اور علامتیں لکھیں۔

ix۔ تضاد تحتانی کی تعریف لکھیں۔

x۔ اصول عینیت سے کیا مراد ہے؟

سوال 2: تفصیلاً جواب دیں:

i۔ منقولی قضیے سے کیا مراد ہے؟ وضاحت سے بیان کیجئے؟

ii۔ چار درجاتی قضیے کیا ہوتے ہیں؟ مثالوں سے وضاحت کیجئے؟

iii۔ قضیوں کی کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے تقسیم کی وضاحت کیجئے؟

iv۔ قضیوں کی چار معیاری اشکال بیان کیجئے؟

v۔ روایتی مربع اختلافات قضایا پر نوٹ لکھئے؟

vi۔ فکر کے تین اصول بیان کیجئے؟

معروضی طرز (Objective Type)

سوال 3: دیے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں:

i۔ فکر کی تصدیق یہ ہے کہ وہ مطابق ہو۔

ا۔ حقائق　ب۔ واقعات　ج۔ علوم　د۔ تصورات

ii۔ تصور کو الفاظ میں بیان کرنا علم منطق کی اصطلاح میں کہلاتا ہے۔

ا۔ محمول　ب۔ حد (Term)　ج۔ اظہار　د۔ متبادل

iii۔ دو تصورات کے مابین بیان کردہ تعلق کو کہتے ہیں۔

ا۔ قضیہ　ب۔ تقسیم　ج۔ تصدیق　د۔ نفی

iv۔ تصدیق کو الفاظ میں بیان کرنا علم منطق کی اصطلاح میں کہلاتا ہے۔

ا۔ عمل منطق　ب۔ فکر　ج۔ قضیہ　د۔ مثال

v۔ منطق کا تعلق ہوتا ہے۔

ا۔ عمل تصدیق سے　ب۔ عمل فکر سے　ج۔ عمل انعکاس سے　د۔ عمل تعلم سے

vi۔ قضیہ دو حدود کے باہمی تعلق کا اقرار یا پھر

ا۔ انکار ب۔ اقرار ج۔ لحاظ د۔ رد

vii۔ قضیہ کے تعداد کے لحاظ سے اجزا ہوتے ہیں۔

ا۔ دو ب۔ تین ج۔ چار د۔ پانچ

viii۔ قضیہ میں وہ شے جس کے بارے میں اقرار یا انکار کیا جاتا ہے کو کہتے ہیں۔

ا۔ عمل ب۔ رد ج۔ موضوع د۔ ضرب

ix۔ قضیہ میں وہ شے جس کا اقرار یا انکار کیا جاتا ہے کو کہتے ہیں۔

ا۔ محمول ب۔ اصول ج۔ شے د۔ لاشے

x۔ قضیہ میں جس علامت سے انکار یا اقرار کی وضاحت ہواسے کہتے ہیں۔

ا۔ نفی کی علامت ب۔ مثبت کی علامت ج۔ نسبتِ حکمیہ د۔ تقسیم کی علامت

xi۔ قضیہ میں نسبتِ حکمیہ کا تعلق زمانہ سے ہوتا ہے۔

ا۔ مستقبل ب۔ ماضی ج۔ حال د۔ کوئی نہیں

xii۔ کمیت (Quantity) کے لحاظ سے قضیے کی اقسام ہیں جزئیہ قضیے اور

ا۔ کلیہ قضیے ب۔ معقول قضیے ج۔ شرطیہ قضیے د۔ فکری قضیے

xiii۔ کیفیت (Quality) کے لحاظ سے قضیے کی اقسام ہیں.............................اور سالبہ قضیے۔(موجبہ)

ا۔ موجبہ قضیے ب۔ کیفیتی قضیے ج۔ عملی قضیے د۔ تعلیمی قضیے

xiv۔ کوئی قضیہ اگر کلیہ ہے تو وہ کلی طور پر منفی بھی ہوسکتا ہے اور مثبت بھی۔

ا۔ منفی بھی ب۔ عملی بھی ج۔ شناختی بھی د۔ غلط بھی

xv۔ اصول خارج الاوسط کے مطابق دو متضاد یا تقیضین ایک ہی وقت میں نہیں ہوسکتیں۔

ا۔ رد ب۔ تبدیل ج۔ غلط د۔ الٹ

باب 5

مقولی قیاس اور سادہ دلائل
(Categorical Syllogism and Simple Arguments

مقولی قیاس(Categorical Syllogism)

علم منطق استدلال پر مبنی ہوتا ہے۔ کسی بھی گفتگو کے دوران میں کوئی نتیجہ اخذ کرتے وقت استدلال کا سہارا لیا جاتا ہے یعنی نتیجہ ہمیشہ دلائل کی مدد سے حاصل کیا جاتا ہے۔ قیاس بھی ایک استدلال ہوتا ہے جس میں کسی تعلق، رابطہ یا واسطہ سے دیئے ہوئے دو مقدمات سے تیسرا مقدمہ نتیجہ کے طور پر اخذ کیا جاتا ہے۔ دیئے ہوئے دو مقدمات مقولیہ قضیے ہوتے ہیں اور نتیجہ بھی مقولیہ قضیہ ہی ہوتا ہے چونکہ دونوں مقدمات میں تسلسل یا ربط پایا جاتا ہے اس لئے منطقی طور پر لازمی شرط یہ ہے کہ نتیجہ دونوں مقدمات سے مجموعی طور پر لازماً نکلتا ہے۔ جائزہ لیں تو مقدمات اور نتیجے کے مابین دلالت کا تعلق پایا جاتا ہے۔ مثلاً:

تمام انسان فانی ہیں۔
سقراط ایک انسان ہے۔
لہٰذا سقراط فانی ہے۔

اس مثال میں "تمام انسان فانی ہیں" پہلا مقدمہ ہے اور اس سے قریب تعلق، ربط اور تسلسل کے مطابق "سقراط ایک انسان ہے" دوسرا مقدمہ ہے۔ ان دونوں مقدمات کا ربط دیکھ کر خود بخود، لازمی اور مجموعی طور پر ایک تیسرا مقدمہ "سقراط فانی ہے" اخذ ہوتا ہے۔ یہ تیسرا مقدمہ یا قضیہ لازمی طور پر پہلے دو قضیوں سے نکلا ہے، اسے نتیجہ کہتے ہیں یعنی پہلے دو مقدمات سے منطقی، لازمی اور مجموعی طور پر نتیجہ اخذ ہوا ہے، اس سارے عمل کو قیاس (Syllogism) کہتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی اور طریقے سے بھی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ دو مقدمات کے بجائے دیئے ہوئے ایک مقدمہ یا قضیہ سے بھی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً:

تمام انسان فانی ہیں۔
لہٰذا تمام انسان غیر فانی نہیں۔

اس مثال میں پہلا مقدمہ یا قضیہ "تمام انسان فانی ہیں" اپنے اندر ہی یہ نتیجہ رکھتا ہے کہ "تمام انسان غیر فانی نہیں"۔ اس عمل کو استخراج بدیہی یا استخراج بلا واسطہ (Immediate Inference) کہتے ہیں۔ لیکن یہ قیاس نہیں ہے کیونکہ قیاس میں شرط یہ ہے کہ تسلسل یا ربط والے دو مقدمات لازمی ہوں اور ان میں سے خود بخود تیسرا مقدمہ نتیجے کے طور پر نکلے گا اسی لئے اس

قیاس کو تعلق والا یعنی واسطے والا (بالواسطہ) استخراج بالواسطہ (Mediate Inference) کہتے ہیں۔اس طرح ایک اور مثال لیجئے۔

زید، عمر اور بکر فانی ہیں۔

لہٰذا تمام انسان فانی ہیں۔

اس مثال میں ''زید، عمر اور بکر فانی ہیں'' پہلا مقدمہ ہے اور دوسرا مقدمہ نتیجے کے طور پر سامنے آیا ہے۔ ''تمام انسان فانی ہیں'' یہ بھی استخراج بلا واسطہ (Immediate Inference) ہے، قیاس نہیں ہے کیونکہ اس میں دو مقدمات سے نتیجہ اخذ نہیں کیا گیا بلکہ ایک ہی مقدمہ سے نتیجہ اخذ ہوا ہے۔

مزید مثالوں سے قیاس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

فلسفے کے تمام طلباء حاضر ہیں۔

امتنان فلسفے کا طالب علم ہے۔

لہٰذا، امتنان حاضر ہے۔

تمام فلسفی عقلمند ہیں۔

تمام منطقی فلسفی ہیں۔

لہٰذا، تمام منطقی عقلمند ہیں۔

تمام تعلیم یافتہ لوگ لائق ہیں۔

تمام پروفیسر تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔

لہٰذا، تمام پروفیسر لائق ہیں۔

قیاس کی ان تینوں مثالوں میں تین تین حدود پائی جاتی ہیں مثلاً پہلی مثال کو لیجئے اس کے پہلے مقدمے میں ''فلسفے کے تمام طلباء'' ایک حد ہے اور ''حاضر'' دوسری حد ہے۔ اسی طرح دوسرے مقدمے میں ''امتنان'' تیسری حد ہے اور ''فلسفے کا طالب علم'' پہلے مقدمے کی حد دہرائی گئی ہے۔ اسی طرح نتیجے میں بھی ''امتنان'' اور ''حاضر'' دونوں حدود دوبارہ آئی ہیں۔ لہٰذا یہ واضح ہوگیا کہ قیاس میں صرف اور صرف تین حدود ہوتی ہیں نہ ان سے کم یعنی دو، نہ ان سے زیادہ یعنی چار یا اس سے زیادہ۔ اس اصول کو سمجھنے کے لئے ایک اور انداز سے دیکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً

تمام انسان فانی ہیں۔

سقراط ایک انسان ہے۔

لہٰذا سقراط فانی ہے۔

قیاس کی اس مثال کی حدود کو اگر حروف میں منتقل کیا جائے تو یہ صورت بنتی ہے۔

انسان = م .... M

فانی = پ .... P

سقراط = س .... S

اب ان حروف کو اگر حدود کی جگہ لگایا جائے تو یہ قیاس اس طرح ہوگا۔

تمام M ← P ہیں۔

S ایک ← M ہے۔

لہٰذا S ← P ہے۔

اس قیاس کو غور سے دیکھیں تو صرف اور صرف تین حدود S-P-M ہی استعمال ہوئی ہیں۔ کوئی چوتھی حد نہیں ہے اور نہ ہی دو حدود سے قیاس بنتا ہے۔

دیئے ہوئے قیاس میں دو حدود ایسی ہیں جو مقدمات اور نتیجے میں مشترکہ طور پر پائی گئی ہیں۔ مثلاً ''S'' اور ''P'' یعنی ''سقراط'' اور ''فانی''۔ جو حد نتیجے میں موضوع کے طور پر آئی ہے اسے حدِ اصغر (Minor Term) کہتے ہیں وہ حد ہے ''S'' یعنی ''سقراط'' اسی طرح جو حد نتیجہ میں بطور محمول آئی ہے اسے حدِ اکبر (Major Term) کہتے ہیں۔ وہ حد ہے ''P'' یعنی ''فانی'' ...... اور جو حد دونوں مقدمات میں مشترک پائی جاتی ہے۔ اسے حدِ اوسط (Middle Tem) کہتے ہیں وہ حد ہے ''M'' یعنی ''انسان''۔

جس مقدمے میں حدِ اصغر پائی جائے اسے مقدمہ صغریٰ (Minor Premise) اور جس مقدمے میں حدِ اکبر پائی جائے اسے مقدمہ کبریٰ (Major Premise) کہتے ہیں، لہٰذا اس دی ہوئی مثال میں'' تمام M ← P ہیں'' یعنی ''تمام انسان فانی ہیں'' مقدمہ کبریٰ ہے اور ''S ایک ← M ہے'' یعنی'' سقراط ایک انسان ہے'' مقدمہ صغریٰ ہے، لہٰذا یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ قیاس تین حدود اور تین قضیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قیاس اور استدلال کی ایسی شکل ہے جس میں دو قضیے مجموعی طور پر ایک تیسرے قضیے پر دلالت کرتے ہیں جو نتیجہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

قیاس کی اشکال

(Figures of Syllogism)

قیاس کا مفہوم یہ ہے کہ قیاس صرف تین حدود پر مشتمل ہوتا ہے۔ حدِ اکبر (Major Term) حدِ اصغر (Minor Term) اور حدِ اوسط (Middle Term).

حدِ اوسط اپنی اہمیت کے لحاظ سے زیادہ اہم ہے۔ حدِ اکبر اور حدِ اصغر کی حالت کا انحصار حدِ اوسط کی ہیت اور حالت پر ہے۔ اس لئے قیاس کی اشکال کا نظریہ بھی حدِ اوسط کی حالت یا صورت پر مبنی ہوتا ہے۔ حدِ اوسط کی جگہ جہاں بھی متعین کریں وہ

اپنی اہمیت اور حالت کی بنا پر حد اکبر اور حد اصغر کی حالت بدل دیتی ہے۔ حد اوسط کی حالت وحیثیت مقدمہ کبریٰ (Major Premise) میں کبھی موضوع کی ہوتی ہے اور کبھی محمول کی۔ اسی طرح مقدمہ صغریٰ (Minor Premise) میں حد اوسط کی حالت وحیثیت کبھی محمول کی ہوتی ہے اور کبھی موضوع کی۔

حد اوسط کی حالت، حیثیت اور جگہ تبدیل ہونے سے قیاس کی صورت یا ہیئت تبدیل ہوجاتی ہے۔ اس تبدیلی سے قیاس کی مختلف اشکال سامنے آتی ہیں۔ اس طرح قیاس کی چار اشکال (Four Figures of Syllogism) بنتی ہیں، کیونکہ مقدمات میں حد اکبر حد اصغر ایک ایک بار جب کہ حد اوسط دو بار آتی ہے۔ اس طرح اشکال بھی چار ہی بنتی ہیں۔

شکل نمبر 1:۔ اگر مقدمہ کبریٰ (Major Premise) میں حد اوسط موضوع اور مقدمہ صغریٰ (Minor Premise) میں محمول کی حالت میں ہو تو قیاس کی شکل یہ بنتی ہے۔

P ←— M

M ←— S

P ←— S

قیاس کی اس شکل میں مقدمہ کبریٰ "تمام M ← P ہیں" میں حد اوسط "M" ہے جو کہ موضوع کی حالت میں ہے۔ اسی طرح مقدمہ صغریٰ "تمام S ←M ہیں" میں حد اوسط "M" محمول کی حیثیت میں ہے۔ اور نتیجہ "تمام S ← P ہیں" اخذ ہوا ہے۔

شکل نمبر2:۔ دونوں مقدمات یعنی مقدمہ کبریٰ اور مقدمہ صغریٰ میں حد اوسط محمول کی حیثیت سے آتی ہے تو قیاس کی شکل یہ بنے گی۔

M ←— P

M ←— S

P ←— S

قیاس کی اس شکل میں مقدمہ کبریٰ "تمام P ←M ہیں" میں حد اوسط "M" محمول کی حالت میں آتی ہے اور اسی طرح دوسرے مقدمے یعنی مقدمہ صغریٰ "تمام S ←M ہیں" میں حد اوسط دوبارہ محمول کی حیثیت سے آتی ہے۔ یہ قیاس کی دوسری شکل ہے۔ اس میں بھی نتیجہ "تمام S ← P ہے" اخذ ہوا ہے۔

شکل نمبر3:۔ قیاس کی تیسری شکل خود بخود یہ بنے گی کہ حد اوسط مقدمہ کبریٰ اور مقدمہ صغریٰ میں موضوع کی حالت میں آتی ہے تو قیاس کی شکل یہ بنے گی۔

P ←— M

S ←— M

P ←— S

قیاس کی اس شکل میں پہلے مقدمہ، مقدمہ کبریٰ "تمام M ← P ہیں" میں حد اوسط "M" موضوع کی جگہ آئی ہے

اور مقدمہ صغریٰ "تمام M ← S ہیں" میں حدِ اوسط "M" دوبارہ موضوع کی حیثیت سے آئی ہے۔ یہ قیاس کی تیسری شکل ہے۔ اس میں بھی نتیجہ "تمام S ← P ہے" اخذ ہوا ہے۔

شکل نمبر4:۔ قیاس کی چوتھی شکل بھی پہلی شکل کے الٹ حدِ اوسط کی جگہ تبدیل ہو گی۔ قیاس کی یہ چوتھی شکل مشہور منطقی و طبیب جالینوس (Galen) نے پیش کی ہے۔

حدِ اوسط مقدمہ کبریٰ میں محمول اور مقدمہ صغریٰ میں موضوع کی حالت میں آئی ہے تو قیاس کی شکل یہ بنے گی۔

M ← P

S ← M

P ← S

قیاس کی اس چوتھی شکل میں پہلے مقدمہ کبریٰ "تمام P ← M ہیں" میں حدِ اوسط "M" محمول کی حالت میں آئی ہے۔ جب کہ دوسرے مقدمے، مقدمہ صغریٰ "تمام M ← S ہیں" میں حدِ اوسط "M" موضوع کی حیثیت سے آئی ہے۔ یہ قیاس کی چوتھی شکل ہے جس میں نتیجہ "تمام S ← P ہیں۔" اخذ ہوا ہے۔

قیاس کی کوئی بھی صورت صرف اوپر دی گئی چار اشکال پر مشتمل ہوگی۔ کوئی پانچویں صورت نہیں بنے گی کیونکہ پانچویں صورت کی کسی صورت بھی گنجائش نہیں بنتی کہ حدِ اکبر پھر حدِ اصغر اور دوبارہ حدِ اوسط کل چار بنتی ہیں ان میں حدِ اوسط کے جگہ بدلنے کے عمل سے قیاس کی شکل بنتی جاتی ہے۔

قیاس کی معیاری اشکال اور ضرب

Standard forms & mood of Syllogism

علمِ منطق میں قیاس کی چار بنیادی اشکال بنتی ہیں۔ یہ اشکال حدِ اوسط کے جگہ بدلنے پر بنتی ہیں۔ یہ اشکال اربعہ (Four Figures) درج ذیل ہیں۔

شکل نمبر1:۔

	P ← M		پ ← م
	M ← S		م ← س
لہٰذا	P ← S	لہٰذا	پ ← س

شکل نمبر2:۔

	M ← P		م ← پ
	M ← S		م ← س
لہٰذا	P ← S	لہٰذا	پ ← س

شکل نمبر3:۔

P ← M　　　　پ ← م

S ← M　　　　س ← م

P ← S لہٰذا　　　　پ ← س لہٰذا

شکل نمبر4:۔

M ← P　　　　م ← پ

S ← M　　　　س ← م

P ← S لہٰذا　　　　پ ← س لہٰذا

ان چار اشکال میں م(M) سے مراد حد اوسط ہے۔ پ(P) سے مراد حد اکبر اور س(S) سے مراد حد اصغر ہے۔ انہی اشکال کی بنیاد پر قیاس میں مقدمات کے باہم ملنے سے جو جوڑا بنتا ہے اسے منطق کی اصطلاح میں ضرب (Mood) کہتے ہیں۔ یعنی کسی قیاس میں دو مقدمات کے جوڑے کو ضرب کہتے ہیں۔ ہر قیاس میں دو مقدمات ہوتے ہیں اور ہر مقدمہ میں کوئی نہ کوئی قضیہ ہوسکتا ہے۔ بنیادی چار قضیے ل، ع، ی، و، ہیں ان کو انگریزی حروف میں A،E ، I ، O ظاہر کیا جاتا ہے۔

اب اگر کوئی ایک قضیہ لیں اور اس کے ساتھ باری باری دوسرے قضیے لگاتے جائیں تو درج ذیل کل سولہ جوڑے بنیں گے۔ جن کو قیاس کی سولہ ضربیں کہیں گے۔ مثلاً:

و	ی	ع	ل
و ل	ی ل	ع ل	ل ل
و ع	ی ع	ع ع	ل ع
و ی	ی ی	ع ی	ل ی
و و	ی و	ع و	ل و

پہلے خانے میں "ل" کو چار قضیوں "ل" "ع" "ی" اور "و" سے ملا کر جوڑے بنائے گئے ہیں اسی طرح دوسرے خانے میں "ع" تیسرے میں "ی" اور چوتھے میں "و" کو ان چاروں قضیوں کے ساتھ ملا کر جوڑے بنائے گئے ہیں۔

اب انگریزی حروف A،E،I،O کو لیں۔

A	E	I	O
AA	EA	IA	OA
AE	EE	IE	OE

AI	EI	II	OI
AO	EO	IO	OO

اس طرح یہ کل سولہ جوڑے یا قیاس کی ضروب بنتی ہیں۔ قیاس کی ان بنائی گئی سولہ ضروب یعنی جوڑوں میں سے ہر جوڑے کے ساتھ "ا"، "ج"، "ی" اور "و" کو بطور نتیجہ ملائیں تو ہمارے پاس کل چونسٹھ (64) جوڑے یا ضربیں ہوں گی۔ مثلاً:

اا و	اا ی	اا ج	اا ا	اا
اج و	اج ی	اج ج	اج ا	اج
ای و	ای ی	ای ج	ای ا	ای
او و	او ی	او ج	او ا	او

یہ حرف "ا" کی کل سولہ ضروب بنتی ہیں۔ اسی طرح اگر "ج"، "ی" اور "و" کی بھی ضروب بنائی جائیں تو پھر 64=4x16 ضروب بنیں گی۔

ان سب کو اگر ضرب دی جائے تو 4 x 16 = 64 اور اگر قیاس کی چار اشکال کو بھی لیں تو پھر 4 x 64 = 256 کل ممکنہ ضروب (Possible Moods) بنیں گی۔

لیکن اگر اوپر دی گئی سولہ ضروب کا بغور تجزیہ کیا جائے تو ان میں آٹھ ضروب صحیح ہوں گی اور آٹھ غلط ہوں گی۔ ان پر قیاس کے اصول لاگو کرنے سے غلط اور صحیح ضروب الگ الگ ہو جائیں گی۔

مثلاً انگریزی حروف A,E,I,O سے حاصل کردہ سولہ ضروب ہیں۔

A x (A, E, I, O) = AA, AE, AI, AO

E x (A, E, I, O) = EA, EE, EI, EO

I x (A, E, I, O) = IA, IE, II, IO

O x (A, E, I, O) = OA, OE, OI, OO

ان سولہ جوڑوں یا ضروب میں سے OO, EO, OE, EE غلط ہیں کیونکہ ان دونوں میں مقدمات سالبہ ہیں اور قیاس کے اصول کے مطابق دو سالبہ مقدمات سے نتیجہ اخذ نہیں ہوگا لہٰذا دو منفی مقدمات سے بچا جائے۔

اسی طرح OI, II اور IO سے نتیجہ اخذ نہیں ہوسکتا یہ بھی غلط ہیں۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ دو جزئیہ مقدمات سے نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

بالکل اسی طرح EI بھی غلط ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ جزئیہ مقدمہ کبریٰ اور سالبہ مقدمہ صغریٰ سے بھی نتیجہ اخذ نہیں ہوسکتا۔

لہذا IO, OI, II, OO, EO, OE, EE اور EI یہ آٹھ جوڑے یا ضروب غلط ہیں کیونکہ ان سے نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا۔ باقی صحیح آٹھ ضروب یہ ہیں۔

AI, AE, IE, OA, IA, EA, AA اور AO ضروب کے یہ جوڑے صحیح ہیں کیونکہ قیاس کے اصولوں کے مطابق ان سے نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے۔

قیاس کے قواعد
(Rules of Syllogism)

قیاس دراصل ایک ایسا منطقی عمل (Logical Process) ہے جس میں دو مقدمات میں سے تیسرا مقدمہ نتیجے کے طور پر اخذ کیا جاتا ہے۔ علم منطق کا سارا کام فکر و تدبر پر مبنی ہوتا ہے لیکن اس بات کا خیال ضرور رکھا جاتا ہے کہ منطقی عمل کا ہر مرحلہ کسی نہ کسی اصول و ضوابط کا پابند ہوتا ہے۔ اس لیے اہمیت کے پیش نظر قیاس کے کئی ایک قاعدے وضع متعین کیے گئے ہیں۔

اروِنگ کوپی (Irving Copi) کے خیال میں قیاس میں مختلف انداز سے نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔ ان میں ہونے والی عمومی غلطیوں سے بچنے کے لیے قیاس کے چھ قواعد تشکیل دیئے گئے ہیں۔ قیاس کی جانچ پڑتال بھی انہی سے کی جا سکتی ہے کہ کوئی قاعدہ یا قانون توڑا تو نہیں گیا۔ قیاس کے کسی بھی قانون کی خلاف ورزی ایک غلطی ہے، کیونکہ یہ غلطی خصوصی قسم کی ہے۔ اس لئے ہم اسے مغالطہ کہیں گے۔ لہذا ان مغالطوں سے بچنے کے لیے قیاس کے قواعد پر کاربند رہا جائے۔ ان رسمی مغالطوں کو روایتی نام دے کر قواعد کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر1۔ چار حدود سے بچا جائے:۔ (Avoid Four Terms.)

صحیح معیاری مقولی قیاس کی صرف تین حدود ہونی چاہیں۔ دلیل میں مکمل طور پر ہر ایک حد کو ایک ہی انداز میں استعمال کرنا چاہیے، یعنی قیاس کرتے وقت تینوں مقدمات میں حد کے متعین کردہ معنی میں تبدیلی نہیں لانی چاہیے۔ ایک حد جن معنوں میں مقدمہ کبریٰ میں استعمال ہوئی ہے۔ مقدمہ صغریٰ یا نتیجہ میں بھی اس کا وہی مفہوم یا انداز رہنا چاہیے۔ قیاس کی ساخت کے لحاظ سے صرف اور صرف تین حدود ہی ہونی چاہیں۔ دو حدود سے تو قیاس بنتا ہی نہیں لیکن چار حدود استعمال کی جائیں تو یہ مغالطہ ہوگا اور قیاس میں چار حدود کے استعمال کی غلطی یا مغالطے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چار حدود سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ایک قیاس نہیں ہوگا بلکہ ایک سے زیادہ قیاس ہوں گے۔

اگر تین سے زیادہ حدیں ہوں تو ایسی صورت میں یا تو وہ قیاس ہی نہیں ہوگا یا پھر اس میں ایک سے زیادہ قیاس ہو سکتے ہیں۔ مثلاً:

تمام انسان فانی ہیں۔
تمام کوے سیاہ ہیں۔

ان دونوں مقدمات میں چار حدیں ہیں۔ "انسان"، "فانی"، "کوے" اور "سیاہ" لیکن ان چاروں حدود میں کوئی حدِ اوسط (Middle Term) نہیں ہے لہٰذا یہ قیاس نہیں ہے۔ اس سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوسکتا۔ قیاس میں چار حدود کا ہونا مغالطۂ حدودِ اربعہ (Fallacy of four terms) کہلاتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲:۔ حدِ اوسط کم از کم ایک مقدمہ میں ضرور جامع ہونی چاہیے۔

(Distribute themiddle term in at least one premise.)

حدِ اوسط قیاس میں حدِ اکبر اور حدِ اصغر کے درمیان ربط اور تعلق پیدا کرتی ہے جس وجہ سے تیسرا قضیہ یا مقدمہ نتیجے کے طور پر اخذ ہوتا ہے۔ اس لیے اگر حدِ اوسط مقدمات میں کم از کم ایک بار ضرور جامع ہوگی تو یہ تعلق پیدا ہوگا۔ دونوں مقدمات میں سے کم از کم ایک مقدمے میں حدِ اوسط ضرور اپنی تعبیر یعنی دلالت افرادی میں استعمال ہونی چاہیے۔ اس بات کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا جائے کہ مقدمہ کبریٰ اور مقدمہ صغریٰ دونوں میں اگر حدِ اوسط غیر جامع ہوگی تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس کا ایک حصہ حدِ اکبر سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا حصہ حدِ اصغر سے اور یہ ممکن ہے کہ یہ دونوں حصے ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہوں۔ یعنی حدِ اکبر کا تعلق حدِ اوسط کے ایک حصے سے ہو اور حدِ اصغر کا تعلق حدِ اوسط کے دوسرے حصے سے ہو۔ ایسی صورت میں دونوں حدود کے درمیان حدِ اوسط تعلق پیدا نہیں کر سکے گی۔ اس صورت میں کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوگا۔ جس عمل سے منطقی طور پر کوئی نتیجہ اخذ نہ ہو وہ قیاس نہیں ہوسکتا۔ اس کو مغالطہ غیر جامع حدِ اوسط **(Fallacy of undistributed Middle Term)** کہا جائے گا۔

تمام پ م ہیں۔ **(All P is M.)**

تمام س م ہیں۔ **(All S is M.)**

... نتیجہ ممکن نہیں ... . XXXXXX .....

اس مثال میں حدِ اوسط "م" (M) مقدمہ کبریٰ اور مقدمہ صغریٰ، دونوں مقدمات میں غیر جامع ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حدِ اکبر "پ" (P)، حدِ اوسط "م" (M) کے ایک حصہ سے تعلق رکھتی ہو اور حدِ اصغر "س" (S)، حدِ اوسط "م" (M) کے کسی اور حصہ سے تعلق رکھتی ہو۔ اس طرح "م" (M)، "پ" (P) اور "س" (S) حدود میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان مقدمات سے نتیجہ اخذ نہیں ہوسکتا۔ ایک ٹھوس مثال لیجے۔

تمام پنجابی انسان ہیں۔

تمام سندھی انسان ہیں۔

..... نتیجہ ممکن نہیں .....

اس مثال میں حدِ اوسط "انسان" مقدمہ کبریٰ اور مقدمہ صغریٰ، دونوں مقدمات میں غیر جامع ہے لہٰذا ان مقدمات کی بناء پر ہم "سندھی" اور "پنجابی" کے باہم تعلق کی نسبت کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوسکتا۔

قاعدہ نمبر۳:۔ کوئی حد اگر نتیجے میں جامع ہو تو وہ مقدمات میں بھی جامع ہونی چاہیے۔

(Any term distributedin the conclusion must be distributed in the premises.)

قیاس کے قواعد وضوابط میں تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ کوئی حد اگر نتیجے میں جامع ہو تو وہ مقدمات میں بھی جامع ہونی چاہیے اس اصول کو یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ نتیجے میں کوئی حد اس وقت تک جامع نہیں ہونی چاہیے جب تک کہ وہ اپنے مقدمے میں جامع نہ ہو۔ چونکہ نتیجے میں حدِ اکبر اور حدِ اصغر دونوں حدود ہوتی ہیں لہٰذا یہ قاعدہ انہی دو حدود سے متعلق ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر حدِ اکبر اپنے مقدمے (مقدمہ کبریٰ) میں جامع نہیں تو اسے نتیجے میں بھی غیر جامع رہنا چاہیے اسی طرح اگر حدِ اصغر اپنے مقدمے (مقدمہ صغریٰ) میں جامع نہیں تو نتیجے میں بھی اسے غیر جامع رہنا چاہیے۔

نتیجے میں کوئی حد کلی طور پر لی گئی ہو تو اس سے قبل وہ مقدمات میں بھی کلی طور پر آئی ہوگی لیکن اگر مقدمات میں حدِ اصغر اور حدِ اکبر جزوی طور پر لی گئی ہو تو یہ ممکن نہیں کہ نتیجے میں ان حدود کو کلی طور پر لیا جائے کیونکہ یہ عمل قیاس کے اصولوں کے ہی خلاف ہے۔

اگر ہم ایک حد کو جو کہ اپنے مقدمے میں غیر جامع ہو، نتیجہ میں بھی جامع لے لیں تو مغالطۂ عمل ناجائز (Fallacy of the illicit process) لاگو ہوتا ہے۔ اگر حدِ اصغر مقدمۂ صغریٰ میں جامع لی گئی ہو اور نتیجہ میں ہم اُسے جامع لے لیں تو یہ مغالطۂ عمل ناجائز حدِ اصغر (Fallacy of the illicit process of the Minor Term) ہوگا۔ مثلاً:

تمام م پ ہے۔	(All M is P.)
کچھ س م ہے۔	(Some S is M.)
لہٰذا، تمام س پ ہے۔	(Therefore,All S is P.)

اس مثال میں "س" (S) مقدمۂ صغریٰ میں غیر جامع ہے۔ قضیہ "ی" (I) میں موضوع غیر جامع ہوتا ہے لیکن نتیجہ میں "س" (S) جامع ہے کیونکہ نتیجہ قضیہ "ل" (A) ہے۔ لہٰذا یہ مغالطۂ عمل ناجائز حدِ اصغر ہے۔ تمام کوے سیاہ ہیں۔

کچھ پرندے کوے ہیں۔

لہٰذا، تمام پرندے سیاہ ہیں۔

اس ٹھوس مثال میں "پرندے" حدِ اصغر، مقدمۂ صغریٰ میں غیر جامع ہے لیکن نتیجہ میں یہ جامع ہے۔ لہٰذا یہ مغالطۂ عمل ناجائز حدِ اصغر ہے۔

اسی طرح اگر حدِ اکبر، مقدمہ کبریٰ میں غیر جامع ہوگی تو نتیجہ میں ہم اُسے جامع لے لیں تو یہ مغالطۂ عمل ناجائز حدِ اکبر (Fallacy of the illict process of the Major term) ہوگا۔ مثلاً:

(All M is P.) تمام م پ ہے۔

(All S is not M.) تمام س م نہیں ہے۔

(Therefore, All S is not P.) لہذا، تمام س پ نہیں ہے۔

اس مثال میں "پ" (P) مقدمۂ کبریٰ میں غیر جامع ہے۔قضیہ "ک" (A) میں محمول غیر جامع ہوتا ہے لیکن نتیجہ میں "پ" (P) جامع ہے کیونکہ نتیجہ قضیہ "ع" (E) ہے۔لہذا یہ مغالطۂ عمل ناجائز حد اکبر ہے۔ تمام طوطے پرندے ہیں۔

تمام کوے طوطے نہیں ہیں۔

لہذا تمام کوے پرندے نہیں ہیں ۔

اس ٹھوس مثال میں 'پرندے' حد اکبر مقدمۂ کبریٰ میں غیر جامع ہے لیکن نتیجہ میں یہ جامع ہے،لہذا یہ مغالطۂ عمل ناجائز حد اکبر ہے۔

قاعدہ نمبر ۴:۔دو منفی مقدمات سے بچا جائے:۔

(Avoid two negative premises)

قیاس کا یہ چوتھا اصول بھی اہم ہے کہ دو سالبہ مقدمات سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا۔حد اکبر اور حد اصغر کے درمیان اقرار یا انکار کا تعلق پیدا کرنا حد اوسط کا کام ہے لیکن اگر حد اکبر اور حد اوسط کا تعلق حد اکبر اور حد اصغر دونوں سے ہی انکار کا ہو تو حد اوسط ان دونوں حدود کے درمیان کوئی رشتہ اقرار یا انکار پیدا نہیں کر سکتی۔مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ:

تمام انسان فانی نہیں ہیں۔

سقراط ایک انسان نہیں ہے۔

تو ان دونوں انکار کے مقدمات میں سے نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا کیونکہ دونوں مقدمات کا آپس میں کسی طرح کا بھی رشتہ قائم نہیں ہوا۔لہذا قیاس اسی صورت میں صحیح ہوگا جب دونوں مقدمات میں سے ایک موجبہ ضرور ہو یا ایک منفی ہو تو پھر بھی صحیح ہے لیکن دونوں مقدمات مثبت ہوں تو بھی نتیجہ مثبت حاصل ہو سکتا ہے لیکن دونوں منفی ہونے کی صورت میں ایسا ممکن نہیں۔جب دونوں مقدمات سالبہ یعنی منفی قضیے ہوں گے تو مغالطۂ مقدمات سالبہ (Fallacy of Two Negative Premises) واقع ہوتا ہے اس کو (Fallacy of Exclusive Premises) بھی کہا جاسکتا ہے۔

اس کی ٹھوس مثال لیتے ہیں۔مثلاً:

تمام فلسفی عقلمند نہیں ہیں۔

تمام منطقی فلسفی نہیں ہیں۔

لہذا، تمام منطقی عقلمند ہیں۔

یہاں نتیجہ مثبت ہے جو مقدمۂ کبریٰ اور مقدمۂ صغریٰ میں سے اخذ ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان دونوں مقدمات کا آپس

میں تعلق ہی پیدا نہیں ہوا۔

قاعدہ نمبر۵:۔ اگر کوئی مقدمہ منفی ہوگا تو نتیجہ لازماً منفی ہوگا:۔

(If either premise is negative, the conclusion must be negative)

قیاس کے قواعد میں سے اہم اصول یہ بھی ہے کہ اگر دونوں مقدمات میں سے کوئی ایک مقدمہ منفی ہوگا تو لازماً ان میں اخذ کیا ہوا نتیجہ بھی منفی ہوگا۔ مثلاً:

-1 تمام شاعرا کاؤنٹنٹ نہیں ہیں۔
کچھ آرٹسٹ شاعر ہیں۔
لہٰذا، کچھ آرٹسٹ اکاؤنٹنٹ نہیں ہیں۔

-2 تمام انسان کامل نہیں ہیں۔
تمام وکیل انسان ہیں۔
لہٰذا تمام وکیل کامل نہیں ہیں۔

ان دونوں مثالوں میں ایک مقدمہ سالبہ یعنی منفی ہے اس لیے نتیجہ لازمی طور پر منفی نکلا ہے۔ جب دو حدود کا کسی تیسری حد کے ساتھ تعلق ایسا ہو کہ ایک کا انکار کرے اور دوسری کا اقرار تو ظاہر ہے کہ ان دو حدوں کا باہمی تعلق انکار کا ہوگا۔ مثلاً:

تمام P M ہیں۔
تمام M S نہیں ہیں۔
لہٰذا تمام S P نہیں ہیں۔

اب اس اصول کو ایک اور انداز سے لیجئے۔ اگر دونوں مقدمات موجبہ یعنی مثبت ہوں تو نتیجہ مثبت ہوگا منفی کسی صورت نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر دونوں مقدمات سالبہ یعنی منفی ہوں تو ان سے کوئی نتیجہ اخذ ہی نہیں ہو سکتا اور اب تیسری صورت سامنے آتی ہے کہ اگر ایک مقدمہ مثبت اور دوسرا منفی ہو تو لازمی طور پر نتیجہ منفی ہوگا۔

اس کو دوسرے انداز سے دیکھیں کہ اگر نتیجہ منفی ہوگا تو لازماً اس سے پہلے کوئی ایک مقدمہ ضرور منفی ہوگا جس سے وہ نتیجہ منفی نکلا ہے اس قاعدہ میں منفی مقدمہ سے مثبت نتیجہ اخذ کرنے کا مغالطہ پایا جاتا ہے اگر منفی مقدمہ کے باوجود نتیجہ مثبت نکالا جائے۔

(The fallacy of drawing an affirmative conclusion from a negative premise)

قاعدہ نمبر ۶:۔ دو کلی مقدمات میں سے کوئی جزوی نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا۔

(From two universal premisses no particular conclusion may be drawn)

یہ قاعدہ تو عام فہم ہے کہ اگر مقدمات جزوی ہوں گے تو نتیجہ جزوی ہوگا اور اگر دونوں مقدمات کلی ہوں تو کسی صورت بھی نتیجہ جزوی نہیں نکل سکتا۔ مثلاً

1۔ تمام انسان فانی ہیں۔
فلسفے کے تمام طلباء انسان ہیں۔
لہٰذا فلسفے کے تمام طلباء فانی ہیں۔

....

2۔ تمام اساتذہ ذہین ہیں۔
فلسفہ پڑھانے والے تمام اساتذہ ہیں۔
لہٰذا فلسفہ پڑھانے والے ذہین ہیں۔

ان دونوں مثالوں میں مقدمات چونکہ کلی ہیں تو نتائج بھی کلی نوعیت کے حاصل ہوتے ہیں۔ مقدمہ کبریٰ اور مقدمہ صغریٰ میں ہر جماعت کے تمام ممبران کی بات کی گئی ہے اس لیے نتیجہ بھی تمام ممبران کے بارے میں اخذ کیا جائے گا۔ اگر اس کے الٹ ہو یعنی نتیجہ جزوی اور مقدمات کلی ہوں تو پھر اس میں جو غلطی پنہاں ہے اس کو وجودی مغالطہ کہیں گے۔

"The mistake is called the existential fallacy"

حاصلات

(Corollaries)

قیاس کے چھ باقاعدہ قواعد کے علاوہ بھی چند ایک اہم اصول ہیں جو قیاس کی تشکیل، عمل اور تصدیق کے لیے لازمی حیثیت رکھتے ہیں انہیں حاصلات کہا جاتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ دو جزئیہ مقدمات سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا

(From two particular premisses no conclusion can be drawn)

یہ اصول بھی ممکن اور لازم ہے کہ دو جزئیہ مقدمات میں سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوتا تمام جزئیہ قضیوں پر غور کیا جائے تو درج ذیل چار جزئیہ جوڑے بنتے ہیں۔

OO,OI,IO,II

ان کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے جوڑے II کے دونوں مقدمات جزئیہ موجبہ ہیں۔ ان میں کوئی حد بھی جامع نہیں ہے اور

حدِ اوسط بھی دونوں مقدمات میں غیر جامع ہے جو کہ مغالطۂ غیر جامع حدِ اوسط (Fallacy of undistributed middle) ہے۔ جس کا قیاس کے مطابق نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا لہٰذا II جوڑے سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔ قیاس کے اصول کے مطابق حدِ اوسط کم از کم ایک مقدمے میں جامع ہونی چاہیے لیکن اس دو موجبہ قضیے میں ایسا نہیں ہے۔ مثلاً

کچھ P M ہیں۔

کچھ S M ہیں۔

یہ قیاس غلط ہے کیونکہ اس میں دونوں مقدمات کی حدِ جامع غیر جامع ہیں۔

IO جوڑے میں مقدمہ کبریٰ جزئیہ سالبہ یعنی مقدمہ O ہے اور مقدمہ صغریٰ جزئیہ موجبہ ہے یعنی I مقدمہ۔ ان مقدمات کی حدود میں جزئیہ سالبہ کا محمول یعنی حدِ اوسط جامع ہے لیکن چونکہ ایک مقدمہ O سالبہ ہے اس لیے نتیجہ لازمی سالبہ ہونا چاہیے حدِ اکبر نتیجہ میں جامع ہونی چاہیے لیکن یہ حد اپنے مقدمہ میں غیر جامع ہے، نتیجے میں جامع کیسے ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں مغالطہ ناجائز حدِ اکبر پایا جائے گا۔ لہٰذا دو مقدمات سالبہ اور موجبہ IO میں سے نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا۔ یہی حالت OI کی ہے۔ اس میں سے بھی کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح دو سالبہ قضیے OO سے بھی کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا کیونکہ دو سالبہ قضیوں سے نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔

لہٰذا قیاس کے قواعد کے مطابق حاصلات کے طور پر یہ بات صحیح ہے کہ دو جزئیہ مقدمات میں سے نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا۔

2۔ اگر ایک مقدمہ جزئیہ ہو تو نتیجہ ہر حالت میں جزئیہ ہوگا

(If a premise is particular then conclusion must be particular)

اس کے کل آٹھ جوڑے بنتے ہیں جن میں ایک مقدمہ جزئیہ ہو سکتا ہے۔

کلیہ قضیہ اور جزئیہ قضیہ **OE,IE,OA,IA**

جزئیہ قضیہ اور کلیہ قضیہ **EO,EI,AO,AI**

ان کا اگر تفصیلی جائزہ لیں تو OE اور EO میں سے اس لیے نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ یہ قیاس ہی غلط ہے کہ دونوں مقدمے سالبہ ہیں E بھی اور O بھی۔

IA میں قضیہ A کلیہ موجبہ ہے جس میں موضوع جامع ہے اور I جزئیہ موجبہ ہے جس میں کوئی حد جامع نہیں ان مقدمات میں صرف حدِ اوسط جامع ہے۔ حدِ اکبر اور حدِ اصغر دونوں اپنے مقدمات میں غیر جامع ہیں اور ان کا نتیجے میں غیر جامع ہونا لازمی ہے۔ لہٰذا IA جوڑے سے ایک جزئیہ موجبہ نتیجہ ہی اخذ کیا جا سکتا ہے کلیہ نتیجہ نہیں۔

OA جوڑے میں A ایک کلیہ موجبہ قضیہ ہے جس میں موضوع جامع ہے اور O ایک جزئیہ موجبہ قضیہ ہے جس میں محمول جامع ہے۔ اس جوڑے OA میں دو حدود جامع ہیں جن میں ایک حدِ اوسط ہے ان میں ایک مقدمہ O سالبہ ہے لہٰذا نتیجہ بھی سالبہ ہی ہوگا۔ اس صورت میں حدِ اکبر جامع ہوگی اور حدِ اصغر اپنے مقدمے میں غیر جامع ہوگی جو نتیجے میں بھی غیر جامع

ہوگی لہٰذا نتیجہ جزئیہ سالبہ اخذ ہوگا۔لہٰذا یہ اصول بھی صحیح ہے کہ OA میں سے صرف جزئیہ نتیجہ ہی اخذ کیا جا سکتا ہے۔

IE میں E کلیہ سالبہ قضیہ ہے جس میں دونوں حدود جامع ہوتی ہیں۔لیکن I ایک جزئیہ موجبہ قضیہ ہے جس میں کوئی بھی حد جامع نہیں ہوتی ہے۔ایک مقدمہ E سالبہ ہے لہٰذا نتیجہ لازماً سالبہ ہوگا اس طرح دوسری جامع حدِ اکبر ہے اور حدِ اصغر غیر جامع ہے لہٰذا نتیجہ لازماً جزئیہ اخذ ہوگا۔لہٰذا یہ اصول صحیح ہے کہ IE میں سے صرف جزئیہ نتیجہ ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

AI جوڑے میں صرف ایک حد جامع ہوتی ہے اور وہ حدِ اوسط ہے باقی دونوں حدود غیر جامع ہیں لہٰذا نتیجے میں حدِ اصغر غیر جامع ہوگی لہٰذا AI جوڑے میں صرف جزئیہ نتیجہ ہی اخذ ہو سکتا ہے۔

AO جوڑے میں دو حدود جامع ہیں ان میں ایک حدِ اوسط ہے۔

اس میں مقدمہ A کلیہ موجبہ جبکہ مقدمہ O سالبہ نفی حتی ہے۔لہٰذا نتیجہ نفی حاصل ہوگا۔اس صورت میں حدِ اکبر جامع ہوگی۔اس طرح حدِ اصغر غیر جامع رہ جائے گی لہٰذا نتیجہ جزئیہ ہوگا۔اس لیے جوڑے AO میں سے صرف جزئیہ نتیجہ ہی اخذ کیا جا سکتا ہے۔AI جوڑے میں ایک حد جامع ہے اور یہ حدِ اوسط ہے باقی دونوں حدود غیر جامع ہیں لہٰذا اس صورت میں AI جوڑے سے صرف جزئیہ نتیجہ ہی اخذ ہو سکتا ہے۔

3۔ ایک جزئیہ مقدمۂ کبریٰ اور ایک سالبہ مقدمۂ صغریٰ سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا

(From a particular major premise and a negative minor premise, no conclusion can be drawn.)

درج ذیل ایسے تمام جوڑے بنتے ہیں جن میں مقدمہ کبریٰ جزئیہ اور مقدمہ صغریٰ سالبہ ہوگا۔

OO,EO,OI,EI

ان چاروں جوڑوں میں EO اور OO جوڑے سالبہ ہیں لہٰذا یہ دونوں جوڑے ہیں ہی غلط۔دو سالبہ مقدمات سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا۔OI جوڑے میں دونوں جزئیہ مقدمات میں سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا۔

EI جوڑے میں دو حدود جامع ہیں اور دونوں ہی مقدمہ صغریٰ میں ہیں۔مقدمہ کبریٰ I جزئیہ موجبہ ہے جن میں کوئی حد جامع نہیں ہے۔اس جوڑے میں موجود دونوں جامع حدود ایک حدِ اوسط ہے ایک مقدمہ سالبہ ہے لہٰذا نتیجہ سالبہ ہوگا حدِ اکبر اپنے مقدمہ میں جامع نہیں ہے لہٰذا EI سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا۔اس لیے یہ اصول بھی ہے کہ جزئیہ مقدمہ کبریٰ اور سالبہ مقدمہ صغریٰ سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

وین ڈائیگرام

(Venn Diagram)

علم منطق فکر کے قوانین کا مطالعہ کرتا ہے۔کوئی نقطہ نظریات سمجھانے کے لیے ہم مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں۔کبھی آسان زبان اور کبھی علامتی یا اشاراتی طریقہ کار اپنایا جاتا ہے۔یہ سب کچھ منطق ہی سے ممکن ہوتا ہے فقرات کو حروف اور

پھر ان کو مختلف علامتوں میں منتقل کیا جاتا ہے۔ قضیوں کی چار اساسی اشکال کو فقرات کے بجائے اردو یا انگریزی حروف میں بیان کیا جاتا ہے مثلاً قضیہ اردو حروف اور انگریزی حروف سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

☆ کلیہ موجبہ ا ...... A

تمام انسان فانی ہیں۔

☆ کلیہ سالبہ ع ...... E

تمام انسان فانی نہیں ہیں۔

☆ جزئیہ موجبہ ی I

کچھ انسان فانی ہیں۔

☆ جزئیہ سالبہ و ...... O

کچھ انسان فانی نہیں ہیں۔

اس کو ایک نظر دیکھنے کے لیے ایک جدول میں بھی ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

قضیہ اردو/ انگریزی حروف میں	کیفیت	کمیت
ا - A	موجبہ	کلیہ
ع - E	سالبہ	کلیہ
ی - I	موجبہ	جزئیہ
و - O	سالبہ	جزئیہ

جس طرح فقرات، جملوں یعنی قضیوں کو انگریزی اور اردو حروف میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح اٹھارویں صدی کے ایک سوئٹزرلینڈ کے منطقی یولر (Euler) نے ان کو دائروں میں منتقل کر دیا۔ اس کے بعد برطانوی جدید منطقی جان وین (John Venn) نے ڈرائنگ اور جیومیٹری کی مدد سے دائروں میں شیڈ (Shade) کا استعمال کرکے قیاس (Syllogism) کی تصدیق کی ہے جسے تفصیلی طور پر پڑھنے کے بجائے ایک نظر دیکھنے سے اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

قیاس میں تین حدود اور تین قضیے ہوتے ہیں۔ دو مقدمات اور تیسرا نتیجہ ان تینوں کو تین دائروں میں اس طرح دکھایا جاسکتا ہے۔ جس طرح وین نے ڈائیگرام دی ہے۔

قیاس میں حدِ اکبر، حدِ اصغر اور حدِ اوسط تین حدود ہوتی ہیں، ان کے لیے ترتیب وار SPM انگریزی کے حروف استعمال کیے جاتے ہیں۔

حدِ اکبر = S

حدِ اصغر = P

حد اوسط = M

اب تین دائرے ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے (Overlaping) کرتے ہوئے بنائے جائیں تو یوں شکل بنے گی۔

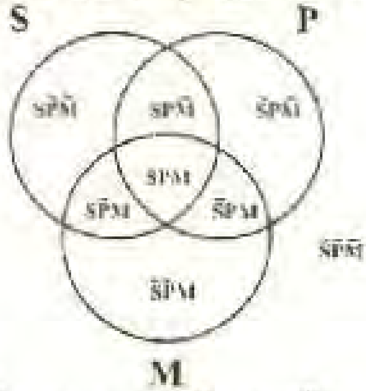

وین (Venn) کی بنائی ہوئی اس ڈائیگرام میں بائیں جانب S دائرہ حد اکبر دائیں جانب P دائرہ حد اصغر اور نیچے M دائرہ حد اوسط کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ تینوں دائرے ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے (Overlaping) بنائے گئے ہیں اب ان کا اگر بغور مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے تو ان میں کل آٹھ جماعتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ انگریزی کے حروف کے اوپر نفی کی نشانی ہے یعنی جس حروف یا حد پر - ہوگی۔ اس کا مطلب ہوگا کہ وہ حد وہاں موجود نہیں ہے۔ مثلاً اگر لکھا ہو SPM اس میں M کے اوپر - ہے جس کے معنی ہیں کہ S اور P دونوں حدود موجود ہیں لیکن اس حصہ میں M موجود نہیں ہے اور اگر S P M لکھا ہو تو اس میں P اور M کے اوپر نفی کی علامت - ہے۔ جس سے مراد ہے کہ اس حصہ میں S ہے لیکن P اور M نہیں ہیں۔ اسی طرح دیئے ہوئے دائروں میں تمام جماعتوں کو بغور پڑھیں تو دائرے کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔

ان تین دائروں کو جس طرح ایک دوسرے کے اوپر کاٹتے ہوئے (Over laping) بنایا گیا ہے۔ اس سے دائروں کے کل سات حصے بنائے گئے ہیں اور ایک حصہ دائروں کے باہر کا شامل کریں تو P, S اور M دائروں کی ڈائیگرام میں کل آٹھ جماعتیں ہوں گی۔

اب ان کی وضاحت کرتے ہوئے دوبارہ ان دائروں کا بغور مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ دائرہ S میں بائیں جانب S P M جماعت ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ S دائرہ کے اس حصہ میں S ہے لیکن P اور M نہیں ہیں۔ اس لیے P اور M پر نفی - کی علامت ظاہر کی گئی ہے۔

P اور S دائرہ جہاں ایک دوسرے کو کاٹتا ہے وہاں دو جماعتیں بنی ہیں S P M اور SMP ان میں پہلی جماعت SPM میں S اور P ہیں لیکن M نہیں ہے۔ لیکن SPM ایک ایسا حصہ ہے جہاں دائرہ M بھی شامل ہوگیا ہے اور یہ واحد حصہ ہے جس میں تینوں دائرے کا کچھ حصہ شامل ہوا ہے اس لیے SPM میں کسی پر بھی نفی کی علامت نہیں ہے۔ دائرہ P میں SPM جماعت ہے۔ اس حصہ میں P تو ہے لیکن S اور M نہیں ہیں۔ اسی طرح P دائرہ کے نچلے حصہ میں SPM جماعت

ہے جس سے مراد ہے کہ اس حصہ میں S نہیں ہے جبکہ P اور M دونوں ہیں۔

دائرہ S کے نچلے حصہ میں جماعت SPM ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس حصہ میں P نہیں ہے جبکہ S اور M حدود ہیں۔ دائرہ M سے نچلے حصہ میں جماعت S P M ہے۔ اس کا مطلب ہے یہاں صرف M ہے جبکہ S اور P حدود یہاں نہیں ہیں۔ تینوں دائروں سے باہر کا علاقہ ایسا ہے جہاں کوئی بھی حدود نہیں ہے۔ اس کو دائروں کے دائیں جانب S P M سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یعنی تینوں حدود پر نفی کی علامت - ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ S , P اور M کوئی حصہ بھی یہاں نہیں ہے۔

وین ڈائیگرام تکنیک کو قیاس کی جانچ پڑتال کے لیے ان دائروں میں استعمال کیا گیا ہے۔ وین ڈائیگرام کو قیاس کی مختلف اشکال اور ضروب کی جانچ پڑتال کے لیے پیمانے کی حیثیت حاصل ہے۔

وین ڈائیگرام کی مدد سے قیاس کے عمل اور قضیوں کی چار اساسی اشکال کی صحیح طور پر تصدیق بھی ہو جاتی ہے اور انہیں علامات کے علاوہ دائروں میں منتقل کر کے جیومیٹری کے علم سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ ماہر منطق وین (Venn) نے چار اساسی قضایوں کو دائروں کی مدد سے ثابت کیا ہے۔ دائروں کی ان اشکال کی وضاحت ارونگ کوپی (Irving Copi) نے اپنی کتاب "تعارف منطق" (An introduction to Logic) اور پیٹریک ہُرلے (Patrick Hurley) نے اپنی تصنیف "مجمل تعارف منطق" (A concise introduction to Logic) میں کی ہے۔ وین (Venn) نے ان چار بنیادی اشکال میں شیڈنگ (Shading) اور کراس (X) لگانے کا طریقہ متعارف کرایا۔ جس کا سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ ایک نظر میں دائروں کو دیکھ کر قضیوں کی تصدیق بھی ہوتی ہے اور حقائق بھی معلوم ہو جاتے ہیں کہ الفاظ کو علامات اور پھر جیومیٹری کے دائروں میں کس طرح تبدیل کیا جاتا ہے۔ مثلاً

A= تمام انسان فانی ہیں۔

تمام S P ہیں۔

(S) (P)

"(A)" قضیہ کلیہ موجبہ ہے۔ اس میں موضوع (S) جامع ہوتا ہے اور محمول (P) غیر جامع۔ وین شکل میں موضوع (S) حد کا وہ حصہ شیڈ (Shade) کر دیا گیا ہے کہ جو حصہ محمول (P) میں شامل نہیں ہے۔ اس طرح موضوع (S) واضح طور پر جامع حد ہے جبکہ محمول (P) غیر جامع حد ہے۔

E= تمام انسان فانی نہیں ہیں۔

تمام S P نہیں ہیں۔

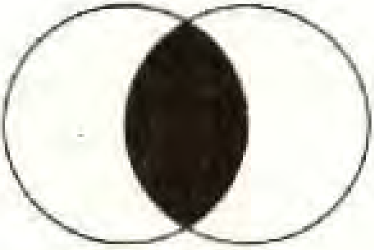

(S) (P)

"ع" (E) قضیہ کلیہ سالبہ ہے۔اس میں موضوع (S) اور محمول (P) دونوں حدود جامع ہیں۔ لہذا وین شکل میں ظاہر کرنے کے لئے کہ موضوع (S) اور محمول (P) دونوں کے درمیان میں کوئی تعلق نہیں،ان دونوں دائروں کے درمیانی حصہ کو شیڈ (Shade) کردیا گیا ہے۔ اس طرح دونوں موضوع (S) اور محمول (P) واضح طور پر جامع ہیں۔

I= کچھ انسان فانی ہیں۔

کچھ S P ہیں۔

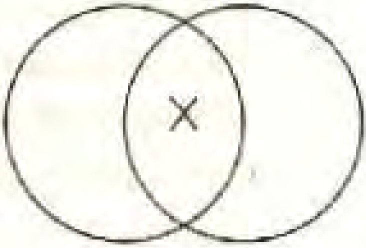

(S) (P)

"ی" (I) قضیہ جزئیہ موجبہ ہے۔اس میں موضوع (S) اور محمول (P) دونوں حدود غیر جامع ہیں لہذا وین شکل میں موضوع (S) اور محمول (P) دونوں کے درمیان میں تعلق کو ظاہر کرنے کے لئے ان دونوں دائروں کے درمیانی حصہ کو کراس (Cross) کردیا گیا ہے جو موضوع (S) اور محمول (P) دونوں کا مشترک حصہ ہے اس طرح دونوں موضوع (S) اور محمول (P) واضح طور پر غیر جامع ہیں۔

O= کچھ انسان فانی نہیں ہیں۔

کچھ S P نہیں ہیں۔

S P

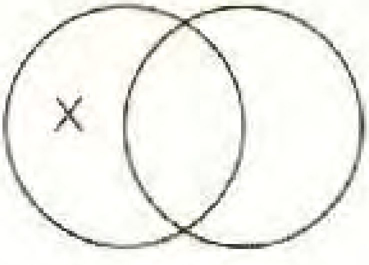

"ؤ"(O) قضیہ جزئیہ سالبہ ہے۔اس میں موضوع (S) غیر جامع ہوتا ہے اور محمول (P) جامع۔وین شکل میں موضوع (S) حد کا وہ حصہ کراس (Cross) کردیا گیا ہے کہ جس میں محمول (P) کا کوئی حصہ شامل نہیں ہے۔اس طرح موضوع (S) واضح طور پر غیر جامع حد ہے جبکہ محمول (P) جامع حد ہے۔

سادہ دلائل کی اشکال اور سچائی کے گوشوارے

(Simple argument forms and Truth Tables)

علم منطق کا تعلق استدلال سے ہے اور جب استدلال کو الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے اسے دلیل (Argument) کہتے ہیں۔منطق کی ساری عمارت دلائل پر استوار کی جاتی ہے۔ قیاس کے ذریعے دیئے ہوئے مقدمات میں سے نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔

علم منطق میں جس طرح رفتہ رفتہ فکری ترقی ہوتی گئی اسی طرح کے فکر کے نئے اصول اور طریق کار سامنے آتے گئے۔ ارسطو (Aristotle) کے بجائے جدید منطق قضیوں کی ترتیب و ترکیب میں خاصی ترقی یافتہ ہے۔قضیوں یعنی جملوں کو علامتوں میں بھی تبدیل کیا جاتا ہے اور پھر ان علامتوں کی مدد سے یولر اور وین کے دائروں سے قضیوں کی تصدیق کی جاتی ہے علامات کو مختلف اقدار میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ علامات کی قدریں قضایا ہوتے ہیں۔قدروں کا تعین کرنے سے مخصوص نتائج نکلتے ہیں جو لمبی عبارت کی بجائے اختصار میں بیان کئے جاتے ہیں۔ان میں دو اہم اجزاء خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

1: متغیرات (Variables)

متغیرات دراصل وہ علامات ہیں جنہیں مختلف اقدار سے ظاہر کیا جاتا ہے جس سے مختلف قضایا وجود میں آتے ہیں۔ قضایا متغیرات کی قدریں ہیں۔قضایا کے متغیرات .... p , q , r , s , t وغیرہ وغیرہ ہیں۔ان متغیرات کی قدریں مفرد قضایا ہیں اور ان قدروں کا اطلاق کیا جاتا ہے تو نتیجہ مرکب قضایا نکلتا ہے متغیرات کو لغوی معنی میں تبدیل ہونے والے عوامل (Operators) کہا جاتا ہے۔

2: ثوابت (Constants)

غیر متغیرات کو ثوابت کہتے ہیں جو تبدیل نہیں ہوتے بلکہ مستقل نوعیت کے ہوتے ہیں۔ یہ علامات فکر کے مختلف اعمال کے مابین روابط یا تعلقات کو ظاہر کرتی ہیں۔ غیر متغیرات یعنی ثوابت مستقل عوامل (Operators) ہیں جو فکر کے صوری پہلو کو بیان کرتے ہیں ناقابلِ تبدیل ہوتے ہیں جبکہ متغیرات ہوتے ہی تبدیل ہونے کے لیے ہیں ان کو مختلف سمتیں دی جاسکتی ہیں۔

جدید منطق میں استعمال ہونے والی علامات جو مختلف اصطلاحات کو ظاہر کرتی ہیں درج ذیل ہیں۔

	اصطلاح	علامت
1:۔ انکار/نفی	(Negation)	~
2:۔ اشتراک	(Conjunction)	•
3:۔ اجتماع	(Disjunction)	V
4:۔ دلالت	(Implication)	⊃
5:۔ تعادل	(Equivalence)	≡

:3 خطوط وحدانی (Brackets)

ریاضی میں استعمال ہونے والے تمام خطوط وحدانی یا قوسین (Brackets) بنیادی طور پر منطق سے حاصل کردہ ہیں۔

چھوٹا خط یا چھوٹی بریکٹ	( )
درمیانی خط	{ }
بڑا خط	[ ]

:4 اصول اوّلیہ (Axioms)

یہ وہ اصول ہیں جو خود کسی قضیے سے ماخوذ نہیں ہوتے بلکہ بنیادی اصول ہوتے ہیں ان سے قضایا اخذ کئے جاتے ہیں جنہیں نتائج یا (Theorems) کہتے ہیں۔

سچائی کے گوشوارے (Truth-Tables)

منطقی دلائل کو سچائی کے گوشواروں میں علامات کے استعمال سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ تمام قضایا کو علامات اور پھر ان علامات کو سچائی کے گوشواروں (Truth-Tables) میں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ متغیرات اور عوامل کے باہمی ملاپ سے درج ذیل قضایا بنتے ہیں جنہیں مختلف گوشواروں میں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ ان گوشواروں میں صحتِ فکر کا پتہ چلتا ہے اسی لیے انہیں سچائی کے گوشوارے کہا جاتا ہے۔

:1 منفی/ سالبہ قضیے (Negative propositions)

منفی یا سالبہ قضیے وہ قضیے ہوتے ہیں جن میں کسی کے بارے میں انکار پایا جائے اسے سچائی کے گوشوارے میں تصدیق یا جانچ پڑتال کے لیے اس طرح ظاہر کیا جائے گا۔

اگر p سچ ہے تو p~ باطل ہوگا۔

p کی علامت p کے ہونے کا اقرار ہے۔ جب اس کے ساتھ نفی ~ کی علامت لگائی جائے تو p~ سے مراد p کا

انکار ہے جسے "p نہیں ہے" یا "Not p" پڑھتے ہیں۔ یہ قضیہ p کی نفی یا انکار ہے۔ دونوں قضیوں p اور p ~ کی سچائی کی حالت یوں ہوگی۔

p	~p
T	F
F	T

یعنی "p" ہے اور "Not p" ہے۔ اگر p سچ ہے جس کے لیے (T(True کی علامت استعمال ہوگی تو p ~ باطل ہے جس کے لیے (F (False کی علامت استعمال ہوگی اسی طرح اس کے الٹ ہوگا کہ اگر p باطل ہے تو F علامت استعمال ہوگی تو پھر نتیجہ Not p سچ ہوگا کے لئے T کی علامت استعمال ہوگی۔ یہاں T اور F حروف علامتوں کے طور پر سچ اور باطل ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

منفی یا سالبہ قضیہ یوں ہوا کہ اگر p سچ ہے تو p ~ باطل ہے اور اگر اس کے الٹ p باطل ہے تو p ~ سچ ہے۔

:2 اشتراکی قضیے (conjunctive proposition)

قضیہ یہ ہوگا "اسلم ایماندار ہے اور اسلم محنتی ہے۔" اس کی منطقی صورت ہوگی

p.q

پہلا قضیہ۔ اسلم ایماندار ہے۔ p

دوسرا قضیہ۔ اسلم محنتی ہے۔ q

اور اس کے لیے علامت اشتراک استعمال ہوگی۔

اس طرح منطقی شکل ان دونوں قضیوں کو ملانے سے یہ بنتی ہے۔

p.q

اس کو سچائی کے گوشوارے میں تصدیق کرنے کے لیے یوں بیان کریں گے۔

p,q	p.q
T T	T
T F	F
F T	F
F F	F

ان p اور q دو قضیوں کے اشتراک سے ان کے چار امکانات بنتے ہیں۔

-1 دونوں قضیے p اور q سچ ہوں گے تو مرکب قضیہ سچ (T) ہے۔

-2 دونوں قضیوں میں p سچ اور q باطل ہوگا تو مرکب قضیہ باطل (F) ہے۔

-3 دونوں قضیوں میں p باطل اور q سچ ہوگا تو مرکب قضیہ باطل (F) ہے۔

4۔ دونوں قضیے p اور q باطل ہوں گے تو مرکب قضیہ باطل (F) ہے۔

اشتراکی قضیوں کی ان چاروں صورتوں کو سامنے رکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ مرکب قضیہ p.q صرف اس حالت میں سچ ہو گا جب دونوں قضیے p اور q سچ ہوں گے باقی تمام صورتوں میں مرکب قضیے باطل ہوں گے۔

3: اجتماعی قضایا (Disjunctive Propositions)

قضیہ یہ بنے گا۔ ''اسلم یا تو عقلمند ہے یا اسلم ایماندار ہے۔'' اس میں

پہلا قضیہ۔ اسلم یا تو عقلمند ہے۔p

دوسرا قضیہ۔ یا اسلم ایماندار ہے۔q

دونوں کا اجتماع (Disjunction) ہوا ہے جس کے لیے علامت V استعمال ہوگی۔ اسی طرح اس اجتماع کی منطقی صورت یہ ہوگی۔

pVq

اس اجتماعی قضیے کو سچائی کے گوشوارے (Truth Tables) میں یوں ظاہر کیا جائے گا۔

p,q	p v q
T T	T
T F	T
F T	T
F F	F

اس اجتماعی قضیے میں بھی اشتراکی قضیے کی طرح چار امکانات بنتے ہیں۔

1۔ دونوں قضیے p اور q سچ ہیں تو مرکب قضیہ سچ (T) ہے۔

2۔ دونوں قضیے میں p سچ اور q باطل ہے تو مرکب قضیہ سچ (T) ہے۔

3۔ دونوں قضیے میں p باطل اور q سچ ہے تو مرکب قضیہ سچ (T) ہے۔

4۔ دونوں قضیے P اور q باطل ہیں تو مرکب قضیہ باطل (F) ہے۔

اجتماعی مرکب قضیے کے سچائی کے گوشوارے سے پتہ چلتا ہے کہ اجتماعی قضیے صرف اس صورت میں باطل ہوتے ہیں جب دونوں قضیے باطل ہوں لیکن باقی تینوں صورتوں میں سچ ہوتے ہیں۔ لہٰذا اجتماعی قضیے میں اگر کم از کم ایک قضیہ سچ ہوگا تو مرکب قضیہ نتیجے کے طور پر سچ ہوگا۔ ارسطو (Aristotle) کے خیال میں اجتماعی قضایا منفصلہ قضایا ہوتے ہیں۔ ان میں دونوں مفرد اجزاء یا قضیے بدل (Alternants) کہلاتے ہیں کیونکہ ان میں ایک دوسرے کا بدل پایا جاتا ہے۔

4: دلالتی قضایا (Implicative Propositions)

قضیہ یہ بنے گا۔ ''اگر وہ محنت کرے گا تو کامیاب ہوگا۔'' اس میں

پہلا قضیہ — اگر وہ محنت کرے گا۔ — p

دوسرا قضیہ — تو وہ کامیاب ہوگا۔ — q

دلالت کے لیے علامت استعمال ہوگی۔ — ⊃

اسی طرح ان دونوں قضیوں کو ملانے سے دلالتی قضیوں کی منطقی شکل یہ بنتی ہے۔

$$p \supset q$$

اس کو سچائی کے گوشوارے میں تصدیق کرنے کے لیے یوں بیان کریں گے۔

P,q	$p \supset q$
T T	T
T F	F
F T	T
F F	T

دلالتی قضیے کے سچائی کے گوشوارے کو بغور دیکھیں تو اس کے بھی چار ہی امکانات بنتے ہیں۔

1۔ دونوں قضیے p اور q اگر سچ ہیں تو مرکب قضیہ سچ (T) ہوگا۔

2۔ دونوں قضیے میں p سچ اور q باطل ہو تو مرکب قضیہ باطل (F) ہوگا۔

3۔ دونوں قضیے میں p باطل اور q سچ ہو تو مرکب قضیہ سچ (T) ہوگا۔

4۔ دونوں قضیوں میں p اور q دونوں باطل ہوں تو مرکب قضیہ سچ (T) ہوگا۔

دلالتی قضیے کے سچائی کے گوشوارے سے پتہ چلتا ہے کہ دلالتی قضیہ صرف اسی صورت میں باطل ہوگا جب P سچ اور q باطل ہوگا۔ باقی تمام صورتوں میں دلالتی قضیہ سچ ہوگا۔

5: متعادل قضایا (Equivalent Propositions)

متعادل قضیہ یہ بنے گا "اگر اور صرف اگر وہ ایماندار ہے تو کامیاب ہوگا"۔ اس میں

پہلا قضیہ — اگر اور صرف اگر وہ ایماندار ہے۔ — P

دوسرا قضیہ — تو کامیاب ہوگا۔ — q

اور اس کے لیے متعادل یا مساوی کی علامت استعمال ہوگی۔ — ≡

اس طرح اس کی منطقی شکل ان دونوں قضیوں کو ملانے سے یہ بنتی ہے۔

$$p \equiv q$$

اس کو سچائی کے گوشوارے میں تصدیق کرنے کے لیے یوں بیان کریں گے۔

P,q	$p \equiv q$
T T	T
T F	[illegible]
F T	F
F F	T

متعادل یعنی مساوی قضایا کے سچائی کے گوشوارے کو بغور دیکھیں تو اس کے بھی چار ہی امکانات بنتے ہیں۔

1۔ دونوں قضیے P اور q اگر سچ ہوں تو مرکب قضیہ بھی سچ (T) ہوگا۔

2۔ دونوں قضیے میں P سچ اور q باطل ہو تو مرکب قضیہ باطل (F) ہوگا۔

3۔ دونوں قضیے میں اگر P باطل اور q سچ ہو تو مرکب قضیہ باطل (F) ہوگا۔

4۔ دونوں قضیے P اور q اگر باطل ہوں تو مرکب قضیہ سچ (T) ہوگا۔

سچائی کے اس گوشوارے میں متعادل قضایا میں اگر دونوں قضایا P اور q سچ دونو ں باطل ہوں تو مرکب قضیے سچ ہوں گے کیونکہ دونوں کی اقدار یکساں یعنی مساوی ہیں لیکن اگر دونوں قضیوں میں سے ایک بھی باطل ہو تو نتیجہ یا مرکب قضیہ باطل ہوگا۔

مشقی سوالات

انشائی طرز (Subjective Type)

سوال 1: مختصراً جواب دیں:

i۔ معقولی قیاس سے کیا مراد ہے؟

ii۔ قیاس میں کون سی تین حدود استعمال ہوتی ہیں۔اُن کے نام بتائیں؟

iii۔ قیاس میں کون سے دو مقدمات استعمال ہوتے ہیں۔اُن کے نام بتائیں؟

iv۔ استنتاج بلاواسطہ سے کیا مراد ہے؟

v۔ استنتاج بالواسطہ سے کیا مراد ہے؟

vi۔ قیاس کی ہر شکل کا انحصار کس حد کی پوزیشن پر ہوتا ہے؟

vii۔ قیاس میں کل کتنی ضروب ممکن ہیں؟

viii۔ اشتراکی قضیہ کسے کہتے ہیں؟

ix۔ "V" کس قسم کے قضیہ کی علامت ہے؟

x۔ وین(Venn) نے چار اساسی قضایا کو کون سے طریقے سے متعارف کرایا؟

سوال 2: تفصیلاً جواب دیں:

i۔ قیاس سے کیا مراد ہے؟

ii۔ قیاس کی چار اساسی اشکال کی وضاحت کیجئے۔

iii۔ قیاس کی ضروب کونسی ہیں تفصیل لکھئے۔

iv۔ قیاس کے قواعد بیان کیجئے۔

v۔ وین ڈائیگرام پر تفصیلی نوٹ لکھئے اشکال بھی بنائیں۔

vi۔ سچائی کے گوشوارے کیا ہیں ان کو علامات کی مدد سے کیسے ظاہر کیا جا سکتا ہے؟

معروضی طرز (Objective Type)

سوال 3: ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں:

i۔ قیاس میں دو مقدمات سے تیسرا مقدمہ اخذ کیا جاتا ہے، بطور

ا۔ نتیجہ ب۔ ردِعمل ج۔ خانہ پوری د۔ حکم

ii۔ کسی ایک ہی مقدمہ سے نتیجہ اخذ کرنے کو کہتے ہیں، استخراج

ا۔ فکر ب۔ بلاواسطہ ج۔ خودتردیدی د۔ کبیر

iii۔ دو مقدمات سے تیسرا مقدمہ خود بخود نتیجے کے طور پر نکلے تو اس عمل کو کہتے ہیں، استخراج

ا۔ مقدمہ ب۔ نتیجہ ج۔ بالواسطہ د۔ صغیر

iv۔ قیاس میں صرف اور صرف تین پائی جاتی ہیں۔

ا۔ اشکال ب۔ ضروب ج۔ اقرار د۔ حدود

v۔ جو حد نتیجے میں موضوع کے طور پر پائی جائے، اُسے کہتے ہیں۔

ا۔ حدِاصغر ب۔ حدِاکبر ج۔ حدِاوسط د۔ حدِاقرار

vi۔ جو حد نتیجہ میں بطور محمول پائی جائے، اُسے کہتے ہیں۔

ا۔ حدِاصغر ب۔ حدِاکبر ج۔ حدِاوسط د۔ حدِاقرار

vii۔ جو حد دونوں مقدمات میں مشترک پائی جائے، اُسے کہتے ہیں۔

ا۔ حدِاصغر ب۔ حدِاکبر ج۔ حدِاوسط د۔ حدِاقرار

viii۔ کسی قیاس میں دو مقدمات کے جوڑے کو کہتے ہیں۔

ا۔ تقسیم ب۔ جمع ج۔ تفریق د۔ ضرب

ix۔ حدِ اوسط قیاس میں حدِ اکبر اور حدِ اصغر کے درمیان پیدا کرتی ہے۔

ا۔ ربط　　ب۔ فرق　　ج۔ امکان　　د۔ احتمال

x۔ کوئی حد اگر نتیجے میں جامع ہو تو وہ مقدمات میں ہوگی۔

ا۔ غیر جامع　　ب۔ واضح　　ج۔ غیر واضح　　د۔ جامع

xi۔ اگر کوئی مقدمہ منفی ہوگا تو نتیجہ لازماً ہوگا۔

ا۔ مثبت　　ب۔ منفی　　ج۔ وقتی　　د۔ بے معنی

xii۔ دو کلی مقدمات میں سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوسکتا۔

ا۔ جزوی نتیجہ　　ب۔ کلی نتیجہ　　ج۔ فکری نتیجہ　　د۔ علمی نتیجہ

xiii۔ حدِ اوسط کم از کم ایک مقدمہ میں ضرور ہونی چاہیے۔

ا۔ جامع　　ب۔ غیر جامع　　ج۔ واضح　　د۔ غیر واضح

xiv۔ اگر نتیجہ جزوی اور مقدمات کلی ہوں تو اس میں پنہاں غلطی ہوئی۔

ا۔ وجودی مغالطہ　　ب۔ فکری مغالطہ　　ج۔ علمی مغالطہ　　د۔ لفظی مغالطہ

xv۔ اگر ایک مقدمہ جزئیہ ہو تو نتیجہ ہر حالت میں ہوگا۔

ا۔ کلیہ　　ب۔ جزئیہ　　ج۔ موجبہ　　د۔ سالبہ

منطق استقرائیہ
(Inductive Logic)

منطق استقرائیہ میں بنیادی طور پر جزئیات کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور اس میں مشاہدات، تجربات اور منطقی عمل سے نتائج اخذ کیئے جاتے ہیں۔ بعض اوقات عمومی نتیجہ اخذ کرنے کے لیے گنتی، تمثیل اور مشابہت کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہم چند ایک واقعات میں مشابہت یا کسی اور وجہ سے خاص تعلق تلاش کرتے ہیں جس سے حقائق کا پتہ لگانے کے لیے استقرائی زقند (Inductive Leap) لگا کر ایک عمومی نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں۔

تعمیم (Generlization)

منطق استقرائیہ کی بنیادیں حقائق پر مبنی ہوتی ہیں لیکن منطق استخراجیہ میں حقائق کے علاوہ صوری صحت سے بھی نتائج صحیح اخذ کئے جاتے ہیں۔ اگر صورتحال ایسی ہو کہ جزی حقائق کی مدد سے کوئی اصول وضع کیا جائے جس سے کلی قضیہ قائم کیا جاتا ہے تو اس طریق کار کو حقائق کی تعمیم (Generlization) کرنا کہتے ہیں مثلاً ہم ایک کام کو جس انداز سے بار بار ہوتے ہوئے ویسے ہی دیکھتے ہیں جیسے کہ وہ عموماً ہو رہا ہے اور وہی نتیجہ دے رہا ہے جو شروع میں تھا تو اس عمل کو عملِ تعمیم کہا جاتا ہے مثلاً چند کوؤں کو سیاہ دیکھ کر ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور اصول قائم کر لیتے ہیں کہ تمام کوّے سیاہ ہیں۔ ایک پتھر زمین کی طرف گرتا ہے اور دیگر کئی اشیا زمین کی طرف گرتی ہیں۔ تو ہم یہ طے کر لیتے ہیں کہ تمام مادی اشیاء زمین کی طرف گرتی ہیں۔ پھر سائنسی منہاج کی بنا پر تحقیق کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی اصل وجہ یا توجیہہ زمین میں کششِ ثقل کا ہونا ہے ان دونوں مثالوں میں ہم جو عمل اختیار کر کے نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مادی اشیاء زمین کی طرف گرتی ہیں اور تمام کوّے سیاہ ہیں تو یہ عمل، عملِ تعمیم ہے۔ جدید ماہر منطقی جے۔ ایس۔ مل (J.S.Mill) کا کہنا ہے کہ منطق استقرائیہ کی تکمیل تعمیم ہی سے ہوتی ہے۔ دیئے ہوئے مقدمات میں سے جو نتائج ہم اخذ کرتے ہیں وہ تعمیم ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں یعنی اس میں جزی حقائق یا انفرادی مثالوں سے کلیہ قضیوں کو بطور نتائج اخذ کرنا تعمیم کہلاتا ہے۔

گنتی(Enumeration)، تمثیل (Analogy) یا مشابہت(Resemblence) کی بنا پر جو نتیجہ ہم اخذ کرتے ہیں وہ عملِ تعمیم ہی کی وجہ سے ممکن ہوتا ہے۔ قانونِ علت (Law of Causation) اور قانونِ یکسانی فطرت (Law of Uniformity of Nature) کا سہارا لے کر ہم تعمیم کرتے ہیں۔ اگر مادی اشیاء ہمیشہ زمین کی طرف گرتی ہیں تو یہ فطرت کے قانون میں یکسانیت کی وجہ سے ہے۔ یہ نہیں ہے کہ ایک دن تو اشیاء اوپر چلی جائیں دوسرے روز نیچے آ جائیں۔ اس طرح ہر واقعہ کی کوئی نہ کوئی علت پائی جاتی ہے۔ یہ بھی نہایت اہم اور لازمی امر ہے لیکن اگر ایسا ہو کہ کسی واقعہ کی

وجہ ہو اور کوئی واقعہ بغیر وجہ کے ہو تو یہ فطرت کے قوانین کے بھی منافی ہوگا۔ علت و معلول کا تعلق اور رشتہ ہمیشہ رہے گا تو اس سے اخذ ہونے والے نتائج میں جو عمل کارفرما ہوگا وہ تعمیم ہوگی کہ واقعات کو مدِ نظر رکھ کر ایک کلی فیصلہ کرنا اس فعل کے لیے نہایت ضروری ہے جو منطقی طور پر خود بخود ہو رہا ہوتا ہے۔

ہم روز مرہ زندگی میں بھی ایسے عمومی قوانین کا استعمال کرتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں ہمارا روزانہ عمومی قوانین سے واسطہ پڑتا ہے یہ عمومی قوانین ہمیں عملِ تعمیم سے حاصل ہوتے ہیں۔ گویا عملِ تعمیم ہمیں علمی، فکری اور تجربی سطح پر قوانین وضع کرنے میں مدد دیتا ہے۔ تعمیم میں منطق استقرائیہ کی صوری بنیادیں، قانونِ علت اور قانونِ یکسانیٔ فطرت سے مہیا ہوتی ہیں جبکہ اس کی مادی بنیادیں مشاہدہ اور تجربہ ہیں۔ تعمیم بھی منطقِ استقرائیہ کی انہی بنیادوں پر مبنی ہوتی ہے۔

تعمیم کی اقسام (Kinds of Generalization)

تعمیم میں دو حدود کے درمیان کوئی نہ کوئی رشتہ یا تعلق تلاش کر کے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے انہی رشتوں یا تعلق کی بنا پر تعمیم کی دو بڑی اقسام ہیں۔

1- علمی تعمیم (Scientific Generalization)

2- تجربی تعمیم (Empirical Generalization)

1- علمی تعمیم (Scientific Generalization)

علمی یا سائنسی تعمیم میں حقائق کے باہمی علتی رشتوں کو تلاش کیا جاتا ہے یعنی ہر شے یا واقعہ کے ہونے کی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہوتی ہے۔ اس علت کی بنیاد یقیناً حقائق پر مبنی ہوتی ہے یعنی علت کا ہونا ہی علتی یا سائنسی وجہ ہے اور علت کا معلول سے ایک خصوصی تعلق ہے اس لیے حقائق کے باہمی علتی رشتوں پر مبنی تعمیم کو علمی تعمیم کہتے ہیں مثلاً کششِ ثقل کی وجہ سے مادی اشیا زمین کی طرف گرتی ہیں یہ حقائق پر مبنی علت ہے لہٰذا ہماری یہ تعمیم کہ تمام مادی اشیا زمین پر گرتی ہیں علمی تعمیم ہوگی کیونکہ یہ علمی رشتے پر مبنی ہے اور یہ ایک علمی اور صحیح تعمیم ہوگی۔ لیکن اگر کوئی تعمیم جلد بازی میں بغیر کسی علتی رشتے کے قائم کی جائے تو یہ علمی تعمیم نہیں ہوگی بلکہ غلط تعمیم ہوگی یا یوں کہیے کہ تعمیم ہی نہیں ہوگی، کیونکہ حقائق پر مبنی نہ ہونے کی وجہ سے بعد میں غلط ثابت ہو جائے گی۔

2- تجربی تعمیم (Empirical Generalization)

تعمیم میں علتی رشتے تو اپنی جگہ ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات تجربہ بھی تعمیم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ہمارا عموماً تجربہ یہ ہے کہ ہم کئی سالوں سے آم کھا رہے ہیں اور اپنے تجربے کی بنیاد پر ایک تعمیم یہ کرتے ہیں کہ سرخ آم میٹھے ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ اب تک صحیح بھی ثابت ہو رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی علتی وجہ بھی ہو لیکن اصل میں تجربے کی بنیاد پر تعمیم کی جا رہی ہے علت کی بنا پر نہیں۔ ہم آموں کی سرخی اور مٹھاس کو ہمیشہ اکٹھا دیکھتے ہیں اور اس بنا پر تعمیم قائم کر لیتے ہیں کہ تمام سرخ

آم میٹھے ہوتے ہیں۔

ہمارا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ سرخ آم میٹھے ہوتے ہیں ۔ سورج روزانہ مشرق سے نکلتا ہے۔ تمام کوّے سیاہ ہیں۔ تمام بگلے سفید ہیں۔ تمام سائنس پڑھنے والے طلباء آرٹس پڑھنے والوں کی نسبت زیادہ محنتی ہوتے ہیں۔ تمام جگالی کرنے والے جانوروں کے کھر پھٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ تمام کتے وفادار ہیں۔ یہ سب تجربی تعیم ہیں۔ ہمیں ایسا ہونے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی خواہ اس کی وجہ کوئی بھی ہو لیکن ہم یہ تعیم اپنے تجربے کی بنا پر کر رہے ہوتے ہیں اس لیے تجربی تعیم علتی رشتوں کے بجائے تجربی بنیادوں پر مبنی ہوتی ہے۔

گنتی (Enumeration)

کسی جماعت کو اُس کے افراد میں تقسیم کرنا گنتی کہلاتا ہے یعنی ایک کل میں موجود اجزاء کو گننے کے عمل کو گنتی کہا جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ اگر کسی بڑی جماعت کو اُس میں شامل چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کیا جائے تو اُسے منطقی تقسیم کہتے ہیں اور ان چھوٹی جماعتوں میں شامل افراد کو الگ الگ کرنا جماعت کے اجزاء کی گنتی کہلاتا ہے۔ایک جسم کے اجزاء میں تقسیم کرنے کو تقسیم طبعی کہلاتا ہے لیکن اگر ان کا الگ الگ شمار کریں تو اُسے گنتی کرنا کہیں گے۔گنتی میں کسی ایک جماعت کے مشمولہ افراد کو گنا جاتا ہے مثلاً اگر ہمیں سیاروں کی منطقی تقسیم کرنے کے لئے کہا جائے اور ہم مختلف سیاروں کے نام گنوادیں تو یہ منطقی تقسیم نہیں ہوگی بلکہ گنتی ہوگی۔ منطقی تقسیم میں کسی جماعت کے افراد کی گنتی نہیں کی جاتی بلکہ اس کو چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

منطق استقرائیہ میں گنتی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔استقراء میں مثالوں کی گنتی کی بناء پر،بغیر ان کے علتی رشتوں کو دریافت کرنے کے،ایک کلیہ قضیہ مرتب کرلیا جاتا ہے۔ ہم اپنی مشاہدہ شدہ مثالوں سے کلیہ قضیہ اخذ کرتے ہیں کیونکہ کوئی مخالف مثال نہیں ملتی۔اس لئے ہم یہ استدلال کرتے ہیں کہ جو بات جزئیات کے متعلق درست ہے وہ کلیات کے متعلق بھی درست ہوگی۔ مثلاً ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ہم نے کوے ہمیشہ سیاہ رنگ کے ہی دیکھے ہیں۔کوئی کوا کسی اور رنگ کا ہماری نظر سے نہیں گزرا اور نہ ہی کسی نے گواہی دی ہے کہ کوئی کوا سیاہ رنگ کے علاوہ بھی کسی رنگ کا ہوتا ہے۔پھر ہم یہ کلیہ قضیہ مرتب کرتے ہیں کہ ''تمام کوے سیاہ ہوتے ہیں۔''اسی طرح روزمرہ زندگی میں ہم بہت ساری تعمیمیں کرتے ہیں جس کی بنیاد گنتی پر ہوتی ہے۔مثلاً ''تمام عورتیں نرم دل ہوتی ہیں۔'' ''تمام کھلاڑی ذہین ہوتے ہیں۔'' یہ اور ایسے دیگر تمام کلیہ قضیے گنتی یا اعداد و شمار ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

گو کہ مثالوں کی محض گنتی کوئی علمی اہمیت نہیں رکھتی لیکن عملی طور پر ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔گنتی کی بناء پر تجربی تعمیمیں بڑی کامیابی سے دی جاسکتی ہیں لیکن علمی تعمیمیں نہیں دی جاسکتیں۔مثلاً ہم ماضی کے مشاہدہ کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوے سیاہ ہیں لیکن یہ کہنا غیر یقینی ہوگا کہ کوے ہمیشہ سیاہ ہوں گے۔

گنتی چونکہ علتی رشتوں پر مبنی نہیں ہوتی اس لئے اس میں علمی یقین نہیں پایا جاتا۔گنتی میں اغلبیت پائی جاسکتی ہے،یقین نہیں ۔جو مثالیں دیکھ یا سُن چکے ہیں،اُن کی بناء پر نتیجہ اخذ ہوسکتا ہے کہ ہمیں صرف سیاہ کووں ہی کی مثالیں ملی تھیں تو پھر مکمل

یقین سے نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ آئندہ کے لئے یہ اصول بن جائے "تمام کوے سیاہ ہیں۔" گنتی کو تعمیم میں خصوصی اہمیت حاصل ہے لیکن اُوپر دیئے گئے چندایک خدشات بھی موجود ہیں۔

تمثیل (Analogy)

منطقِ استخراجیہ میں نتیجہ یقینی ہوتا ہے۔ لیکن منطق استقرائیہ میں نتیجہ مشاہدہ، تجربہ، علم، نسبت، گنتی، تعیم اور مشابہت کی بنا پر اخذ کیا جاتا ہے جو یقینی نہیں ہوتا۔ بعد میں صورتِ حال بدلنے سے نتیجہ تبدیل بھی ہوسکتا ہے۔ استقرائیہ میں نتیجہ امکانی ہوتا ہے۔ امکانیت (Probablity) میں یقینی صورت نہیں پائی جاتی۔ تمثیل (Analogy) بھی استقرائیہ کی ایک مثال ہے۔ ہماری روزمرّہ زندگی کے زیادہ تر استنتاج تمثیل پر مبنی ہوتے ہیں مثلاً میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ نیا خریدا ہوا کمپیوٹر میرے لیے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرے گا۔ کیونکہ اس سے قبل اسی ساخت کے کمپیوٹر کامیاب رہے ہیں۔ اگر کسی نئی کتاب کی طرف میں متوجہ ہوتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اسی مصنف کی دیگر کتابوں سے میں خاصا لطف اندوز ہو چکا ہوں۔ اس لیے یہ کتاب بھی بہتر ہوگی یہ نتیجہ میں کتاب پڑھنے سے قبل سابقہ تجربہ کی بنا پر اخذ کر لیتا ہوں۔

تمثیل ہمارے ماضی کے تجربات کی روشنی میں معمولی استدلال پر مبنی ہوتی ہے جس سے مستقبل میں کیا ہوگا ؟ طے کیا جاتا ہے۔ ایک دوکان سے لکھنے کے لیے صرف اسی لیے قلم خریدا جاتا ہے کہ اس سے قبل جتنی بار بھی یہاں سے قلم خریدا گیا وہ تجربہ کامیاب رہا قلم بہتر کارکردگی دکھاتا رہا اور کافی عرصہ خراب نہیں ہوا۔

تمثیل میں نتائج کی کامیابی کے باوجود ان میں سے کوئی بھی دلیل یقینی نہیں ہوتی، نتیجہ حتمی نہیں ہوتا۔ مظاہراتی طور پر صحیح نہیں ہوتا کوئی بھی نتیجہ اپنے مقدمات سے منطقی طور پر لازمی اخذ نہیں ہوتا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ جب دوکان سے کمپیوٹر خریدا جاتا ہے اور کبھی ناکامی نہیں ہوئی، کمپیوٹر خراب نہیں ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ آخری کمپیوٹر ناکام ہو جائے اور بہتر کارکردگی نہ دکھائے یہ بھی ممکن ہے کہ جس مصنف کی کتابیں پسند کی جاتی ہیں اس کی یہ آخر میں خریدی گئی کتاب پسند نہ آئے۔ اسی طرح قلم کے زمرے میں بھی یہ بات ہوسکتی ہے کہ پہلے تو تمام قلم کامیابی سے بہتر رہے اچھی کارکردگی دکھاتے رہے لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ آخر میں خریدا ہوا قلم صحیح طور پر نہ چل سکے۔ یہ سب کچھ منطقی طور پر ممکن ہوسکتا ہے کیونکہ تمثیل سے حاصل کردہ نتیجہ یقینی نہیں ہوتا۔ تمثیل میں ریاضی کی طرح یقینی نتائج نہیں ہوتے، اس لیے تمثیلی دلائل کو صحیح (Valid) یا غیر صحیح (Invalid) نہیں کہا جاسکتا۔ ان تمام تمثیلی نتائج میں امکانیت کا عمل دخل ہوتا ہے۔ روزمرہ زندگی میں تمثیلی دلائل کو بغیر صحیح دلیل یا وجہ کے بڑی کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔

تمثیل اس استدلال کو کہتے ہیں جس میں ہم کچھ مشابہت سے مزید مشابہت کی طرف استدلال کرتے ہیں۔ یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ جو اشیاء یا واقعات بعض حالات میں مشابہ یا صحیح ہیں وہ بعض دیگر حالات میں بھی مشابہ یا صحیح ہوسکتے ہیں۔ ہم ان مشابہات کے علتی رشتوں کو دریافت کئے بغیر یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ کسی ایک صفت کے بارے میں ایک کے متعلق صحیح ہے وہی کچھ دوسری کے متعلق بھی درست ہوگی تو یہ استدلالِ تمثیل (Analogical Reasoning) ہوگا۔

تمثیل وہ دلیل ہوتی ہے جو علتی رشتوں کے بجائے محض مشابہت (Resemblance) پر مبنی ہوتی ہے۔ جے۔ایس۔مل(J.S. Mill) کے خیال میں دو چیزیں ایک یا ایک سے زیادہ باتوں میں مشابہ ہیں۔ اس لیے جو حکم ان میں سے ایک پر صادق آئے گا وہی حکم دوسری پر بھی صادق آئے گا۔ مثلاً:

اسلم اور اکرم آپس میں تین صفات تحریر، تقریر اور درگزر میں مشابہ ہیں۔

اکرم میں ایک نئی صفت قوت برداشت بھی پائی جاتی ہے۔

لہٰذا یہ صفت قوتِ برداشت اسلم میں بھی ہوگی۔

اس مثال میں تمثیل دلیل اس مفروضے پر مبنی ہے کہ اگر دو چیزیں ایک بات میں مشابہ ہیں تو وہ ایک اور بات میں بھی مشابہ ہوں گی۔ چونکہ یہ مشابہت رشتوں پر مبنی نہیں ہوتی اس لیے اس میں زیادہ سے زیادہ امکانیت اور احتمالیت پائی جاسکتی ہے۔ لیکن یقین نہیں پایا جاسکتا لہٰذا تمثیل امکانی ہوتی ہے یقینی نہیں۔ اِروِنگ کوپی (Irving Copi) نے تمثیل کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"To draw an analogy between two or more entities is to indicate one or more respects in which they are similar."

''دو یا دو سے زیادہ موجودات کے درمیان تمثیل کرنے سے یہ واضح کرنا ہے کہ ایک یا اس سے زیادہ دفعہ ان میں مشابہت پائی جاتی ہے۔'' اگر تمثیل میں مشابہت زیادہ ہو تو وہ حقیقت کے قریب ہوگی۔ اسے تمثیلِ دلیل قوی کہیں گے اور اگر مشابہت کم ہو تو تمثیل کمزور ہوگی۔ دراصل تمثیل کے بہتر ہونے یا تمثیل کی تقویت کا انحصار مشابہت اور اختلاف کی نوعیت اور اہمیت پر ہوتا ہے۔ صرف واقعات کی مقدار پر نہیں۔ تمثیل کے صحیح اور قوی ہونے کے لیے مشابہتوں اور اختلافات کی تعداد یعنی مقدار یا کمیت (Quantity) کے ساتھ نوعیت یا کیفیت (Quality) کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے۔ اگر دو یا دو سے زیادہ اشیا میں مشابہتوں کے زیادہ ہونے کے ساتھ اختلافات بہت کم ہوں تو تمثیل زیادہ طاقتور ہوگی۔

تمثیل میں مشابہت سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کیونکہ اس طرح حاصل کردہ نتیجہ ایک عمومی قضیہ تو ہوتا ہے لیکن یہ عمومی قضیہ جزئی مثالوں کے مشاہدے پر مبنی ہونے کے بجائے مشابہت استدلال پر مبنی ہوتا ہے۔ ایسے استدلال میں ہم بغیر کسی وجہ یا علامت کے چند تجربات یا مشاہدات کی بنا پر خود ہی فرض کرلیتے ہیں کہ جس استدلال کا اطلاق ایک مثال پر صحیح ثابت ہوسکتا ہے۔ اسی استدلال کا اطلاق اسی قسم کی دیگر مثالوں پر بھی ہوگا۔ مثلاً جب ہم چند کوؤں کو دیکھتے ہیں تو ان کو زندہ ہونے کے ساتھ ان کی صفت سیاہ ہونا بھی مشترک نظر آتی ہے تو ہم سیاہ ہونے کی اس صفت کو ان دیگر کوؤں پر بھی منطبق کرتے ہیں جن کا ابھی مشاہدہ نہیں کیا۔ یہ استدلال استقراء کی اہم ضرورت اور صفت ہے کہ مشابہت کی بنا پر جزی حقائق کا تمثیلی طور پر کلی اجزا یا صفات پر اطلاق کرنا لیکن مشابہت میں ایک اصول ضرور کارفرما ہوتا ہے کہ گنتی کے بجائے مشابہت استدلال پر دلالت کرتا ہے۔

تعمیم کی اہمیت
(Importance of Generalization)

تعمیم سے مراد استقرائی انداز سے چند ایک حقائق کا مشاہدہ و تجربہ کر کے عمومی نتیجہ یا کلیہ قائم کرنا ہے۔ اپنی اہمیت کے لحاظ سے تعمیم کا یوں جائزہ لے سکتے ہیں۔

1- منطق استقرائیہ کی تکمیل 2- عمومی نتیجہ 3- تحقیق میں مدد
4- مختصر وقت کا استعمال 5- علتی رشتے 6- تجربی بنیادیں
7- تنظیم پیدا کرنا 8- قدرتی قوانین کا سہارا

1- منطق استقرائیہ کی تکمیل

منطق ایک ایسا علم ہے۔ جس میں تصدیقات اور نتائج پر مبنی استدلال و قیاس کے ذریعے معلومات حاصل ہوتی ہیں اس میں فکر کے صحیح قوانین کا مطالعہ اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ کسی لحاظ سے بھی کوئی زاویہ علمی اور فکری انداز سے تشنہ نہ رہ جائے۔ تعمیم ہی ایک ایسا طریق ہے جس سے منطقِ استقرائیہ کی تکمیل ہوتی ہے کیونکہ چند ایک حقائق اور مشابہت کی تصدیق سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں تو منطقِ استقرائیہ کا علم آگے بڑھتا ہے۔ منطقِ استقرائیہ کا نتیجہ منطقِ استخراجیہ کے لیے بنیاد مہیا کرتا ہے۔ تعمیم منطقِ استقرائیہ کی ایک نہایت ہی اہم اور ضروری خصوصیت ہے جس سے استقرائیہ کے لیے نتائج مرتب کئے جاتے ہیں خواہ اس میں عمل کے لحاظ سے خامی ہی پائی جائے۔

2- عمومی نتیجہ

تعمیم ایک ایسا عمل ہے جس میں عمومی نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے تعمیم کا کام ہی عمومیت (Generalization) ہے جس سے ہر وقت اور ہر جگہ اور سب کے لیے نتیجہ عمومی حاصل کیا جاتا ہے یہی عمومی نتیجہ بعد میں قانون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

3- تحقیق میں مدد

تحقیق میں ابتدا اور انتہا صرف اور صرف منطق پر ہوتی ہے یعنی مفروضے قائم کرنے سے لے کر نتائج اخذ کرنے تک کا عمل منطقی عمل ہوتا ہے تحقیق میں سب سے اہم اور ضروری کام مفروضے قائم کرنا ہے پھر نتائج اخذ کرنا اس سے اہم اور آخری عمل ہے۔ مفروضوں میں ہم تعمیم سے کام لیتے ہیں اور پھر غیر ضروری مفروضوں میں کی بھی تعمیم کی بنیادوں پر کرتے ہیں۔ اسی طرح استقرائی انداز میں نتائج بھی تعمیم ہی سے حاصل کرتے ہیں۔

4- مختصر وقت کا استعمال

کسی موضوع پر تحقیق کرنے کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے تاریخی، بیانیہ اور تجربی تحقیق میں کوئی بھی موضوع یا عنوان یا حقائق تک پہنچنے کے لیے خاصی محنت کرنا پڑتی ہے۔ اگر کسی موضوع کی سو اکائیاں ہوں اور ہر اکائی کی تحقیق کے لیے کم

از کم ایک ماہ کا عرصہ درکار ہوتو اس طرح سو اکائیوں کو جانچنے کے لیے سو ماہ چاہئیں اور اگر اکائیاں ایک ہزار یا اس سے زیادہ دو ہزار ہوں تو پھر ایک ہزار یا دو ہزار مہینے درکار ہوں گے۔ جو کہ مشکل کے علاوہ ناممکن لگتا ہے، لیکن منطقِ استقرائیہ میں تعمیم چند اکائیوں کی جانچ پڑتال سے چند ماہ میں ہمارا یہ مسئلہ حل کر دیتی ہے۔ تعمیم میں چند اکائیوں کی جانچ پڑتال تحقیق اور تفتیش کر کے نتائج اخذ کئے جاتے ہیں جس سے مختصر وقت کا استعمال کر کے زیادہ بڑے کام کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

5- علتی رشتے

تعمیم کی ایک اہم قسم علتی تعمیم ہے جو خالصتاً علتی رشتے پر مبنی ہوتی ہے اس میں کوئی خاص وجہ یا علت تلاش کی جاتی ہے ادراک اور علم سے مدد لی جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں تعمیم وہ عمل ہے کہ جس میں علتی رشتوں کی دریافت ہوتی ہے۔ کسی دو کام کے درمیان علتی رشتے معلوم کئے جاتے ہیں۔ اہمیت کے اعتبار سے تعمیم کی یہ بہت بڑی خوبی ہے۔

6- تجربی بنیادیں

تعمیم کی دوسری قسم تجربی تعمیم ہوتی ہے جس میں وجہ علت یا علمی رشتوں کے بجائے تجربی رشتے یا بنیادیں تلاش کی جاتی ہیں۔ تعمیم کی یہ بھی ایک اہم خوبی ہے کہ علمی کے علاوہ تجربی بنیادوں پر نتائج اخذ کیے جاتے ہیں، یعنی علم اور مشاہدہ کے تجربہ کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ تحقیق کنندہ خود اس تجربہ میں شامل ہو کر تصدیق کرتا ہے اور مختصر وقت میں علمی کے علاوہ تجربی بنیادوں پر تعمیم کر کے متعلقہ مسئلے کے نتائج حاصل کر لیتا ہے۔

7- تنظیم پیدا کرنا

تعمیم کا ایک اہم کام تنظیم (Systematization) پیدا کرنا ہے۔ تنظیم سے مراد یہاں قضیوں میں بیان کردہ واقعات کی آپس میں تطبیق (Adjustment) اور ترتیب پیدا کرنا ہے اگر مواد منظم اور مرتب ہو گا تو بنیادیں اور نتائج معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ یہ کام صرف تعمیم ہی سے صحیح طور پر ممکن ہو سکتا ہے۔

8- قدرتی قوانین کا سہارا

تعمیم کا ایک پہلو قوانین اور خصوصاً قدرتی قوانین سے مدد لینا بھی ہوتا ہے۔ قانونِ علت (Law of Causation) قانونِ یکسانئ فطرت (Law of Uniformity of Nature) قانونِ انعکاس (Law of Reflection) قانونِ تقطیب (Law of Polarization) اور قانونِ بقائے ذات (Law of Self Preservation) وغیرہ وغیرہ۔ قدرتی قوانین کا سہارا لے کر تعمیم کے عمل کو سہل اور آسان بنایا جا سکتا ہے کیونکہ اگر ان قوانین کا علم نہ ہو تو قانون کو ثابت کرنے کے لیے ناممکن حد تک مشکل پیش آئے۔ قوانینِ قدرت کی موجودگی میں تعمیم کا عمل بہتر انداز میں اپنے نتائج مرتب کرتا ہے۔ اس طرح تعمیم اور قوانینِ قدرت میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

مشقی سوالات

انشائی طرز (Subjective Type)

سوال1: مختصراً جواب دیں:

i۔ تعمیم سے کیا مراد ہے؟

ii۔ استقرائی زقند کسے کہتے ہیں؟

iii۔ گنتی کا منطق میں کیا مفہوم ہے؟

iv۔ تمثیل کی تعریف لکھیں؟

v۔ مشابہت کسے کہتے ہیں؟

vi۔ علمی تعمیم میں کیا شے اہم ہوتی ہے؟

vii۔ تجربی تعمیم کس پر مبنی ہوتی ہے؟

viii۔ کیا تعمیم تحقیق میں مدد دیتی ہے؟

ix۔ کیا تعمیم سے منطق استقرائیہ کی تکمیل ہوتی ہے؟

x۔ کیا قدرتی قوانین کا سہارا تعمیم سے ملتا ہے؟

سوال2: تفصیلاً جواب دیں:

i۔ تمثیل سے کیا مراد ہے؟

ii۔ تعمیم کی تعریف مختلف مثالوں سے واضح کریں۔

iii۔ تعمیم کی کتنی قسمیں ہیں ان کی وضاحت کیجئے۔

iv۔ تعمیم کی اہمیت پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

v۔ منطق استقرائیہ میں تمثیل اور تعمیم کا کیا اہم کردار ہے؟

معروضی طرز (Objective Type)

سوال3: ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں:

i۔ منطق استقرائیہ میں بنیادی طور پر مدنظر رکھا جاتا ہے۔

ا۔ جزئیات کو ب۔ تعلیمات کو ج۔ نفسیات کو د۔ کلیات کو

ii۔ منطق استقرائیہ میں استقرائی زقند لگا کر نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔

ا۔ عمومی ب۔ خصوصی ج۔ تمثیلی د۔ تعمیمی

iii۔ جے۔ایس۔مل کا کہنا ہے کہ منطق استقرائیہ کی تکمیل ہوتی ہے۔
ا۔ تعمیم سے ب۔ تفہیم سے ج۔ تجسیم سے د۔ تعلیم سے

iv۔ تعمیم کی عمومی طور پر بڑی اقسام ہیں۔
ا۔ چار ب۔ تین ج۔ دو د۔ پانچ

v۔ علمی تعمیم میں حقائق کے متعلق تلاش کیا جاتا ہے۔
ا۔ علتی رشتے کو ب۔ بندش کو ج۔ تبدیلی کو د۔ تفریق کو

vi۔ تجربی تعمیم علتی رشتوں کی بجائے ان بنیادوں پر مبنی ہوتی ہے۔
ا۔ فکری ب۔ خفیہ ج۔ تجربی د۔ عکسی

vii۔ تمثیل ماضی کے تجربات کی روشنی میں مبنی ہوتی ہے۔
ا۔ انکار پر ب۔ اظہار پر ج۔ اعتبار پر د۔ استدلال پر

viii۔ تمثیل ایک ایسی دلیل ہے جو علتی رشتوں کے بجائے محض مبنی ہوتی ہے۔
ا۔ مشابہت پر ب۔ روابط پر ج۔ موافقت پر د۔ اذکار پر

ix۔ تعمیم کا اہم کام پیدا کرنا ہے۔
ا۔ انصاف کو ب۔ تنظیم کو ج۔ شکل کو د۔ قیاس کو

x۔ تمام مادی اشیا زمین پر گرتی ہیں۔ یہ ایک تعمیم ہے۔
ا۔ تحقیقی ب۔ سائنسی ج۔ علتی د۔ خبری

توجیہہ کا سائنسی طریقۂ کار

(SCIENTIFIC METHOD OF EXPLANATION)

توجیہہ (Explanation)

ہمیں روزانہ مختلف النوع حالات و واقعات سے واسطہ پڑتا ہے لیکن ہم ان واقعات کا حصہ ہوتے ہوئے بھی ان کی تہہ تک نہیں پہنچتے۔ عموماً اپنے کام سے کام رکھتے ہیں یہ معلوم نہیں کرتے کہ ایسا کیوں ہوا؟ ہم میڈیکل سٹور یا ڈاکٹر سے دوائی حاصل اس لیے کرتے ہیں کہ ہماری جسمانی بیماری ختم ہو جائے۔ دوائی کا فارمولا کیا ہے؟ یہ دوائی کس نے ایجاد کی تھی؟ ایسے سوالات کی طرف توجہ نہیں دیتے بازار سے دیگر اشیاء خریدتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں لیکن ان کی جزئیات جاننے نہیں لگ جاتے بلکہ اس کے بعد دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ ہماری روزمرہ کی عادات ہیں۔

لیکن بعض معاملات اور واقعات ایسے ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ جاننا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ بعض لوگ اپنی ذہنی استعداد کی برتری کی بنا پر حقائق کا پتہ ضرور لگاتے ہیں۔ مختلف علوم کے ماہر، اساتذہ، سائنسدان اور دیگر سوچنے وفکر کرنے والے ہمیشہ کسی نہ کسی طرح چیز، واقعہ یا کام کی وجہ جاننے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔

کسی شے ،واقعہ یا کوئی بھی عمل کی وجہ ہی کو توجیہہ (Explanation) کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات صورت حال ایسی ہوتی ہے کہ مبہم اور غیر واضح کو جاننے کے لئے تشریح کی ضرورت ہوتی ہے۔ تشریح کے معنی ہیں شرح کرنا۔ یعنی اس بند، مبہم اور غیر واضح کو واضح طور پر کھول کر بیان کرنا۔ حقائق کا معائنہ کرنا اور یہ دیکھنا کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن سے مل کر یہ شے بنی ہے یا واقعہ رونما ہوا ہے۔ اس عمل کو توجیہہ کہا جاتا ہے۔ توجیہہ میں واقعہ یا شے کی وجوہات بیان کی جاتی ہیں جس سے غیرفہم معاملات کی تفہیم ہو جاتی ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ جاننے کا تجسس زیادہ بڑھتا ہے۔ ہم اس وقت تک بے قرار رہتے ہیں جب تک کسی شے یا واقعہ کی وجوہات نہ جان جائیں۔ واقعہ کی علت اور حقائق کا پتہ نہ لگا لیں۔ اس وقت تک ذہن میں مزید سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں جب تک صحیح طور پر توجیہہ نہ ہو جائے۔ ذہنی بے اطمینانی اسی وقت دور ہوتی ہے جب مکمل طور پر تسلی اور اطمینان ہو جائے کہ جواب ہمارے ذہن میں ابھرنے والے سوال کے مطابق ہے۔

کسی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے بعد ہم اس کے ہونے کی وجہ، علت یا حقیقت جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور زیادہ تر کامیاب بھی ہو جاتے ہیں اسے اس واقعہ کی توجیہہ کہا جاتا ہے۔ ایک واقعہ کی توجیہہ کرنے کے لیے اس سے متعلق یا قریبی واقعہ کا سہارا لیا جاتا ہے یا تعلق جوڑا جاتا ہے مثلاً واقعہ یہ ہے کہ سیب زمین پر گرتا ہے۔ وجہ یہ حاصل ہوئی کہ زمین میں کششِ ثقل ہوتی ہے جس سے زمین اشیاء کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ سیب کا گرنا پہلا واقعہ ہے زمین کا اشیاء کو اپنی طرف کھینچنا دوسرا

واقعہ ہے۔ یہ دوسرا واقعہ پہلے واقعہ کی وجہ ہے۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ جولائی کے پہلے ہفتے لاہور میں شدید بارش ہوئی ہے محکمہ موسمیات جو اس کام کے لیے معمور ہے کا کہنا ہے کہ ہوا کے دباؤ میں کمی واقع ہوئی، بادل چھا گئے اور موسم ٹھنڈا ہو گیا تو بارش ہونے لگی۔

بارش کا ہونا ایک واقعہ ہے اور اس سے قبل ہوا کے دباؤ میں کمی دوسرا واقعہ ہے یہی واقعہ بارش کا سبب بنا ہے لہٰذا بارش کے ہونے کی توجیہہ مل گئی۔ ان دونوں مثالوں پر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کی توجیہہ کو ایک واقعہ کی ایک قانون سے توجیہہ (Explanation of fact by a law) کہتے ہیں یعنی ایک واقعہ دوسرے واقعہ کے لیے قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرح ہم دو یا دو سے زیادہ واقعات کا آپس میں تعلق جوڑ کر بھی توجیہہ کرتے ہیں، مثلاً ایک طالب علم امتحان میں ناکام ہو گیا ہے۔ جاننے پر پتہ چلتا ہے کہ اس طالب علم کی آوارہ گردی ناکامی کا سبب بنی ہے۔ فیل ہونا ایک واقعہ ہے اور آوارہ گردی دوسرا واقعہ ہے اس طرح دو واقعات کا آپس میں تعلق پیدا ہو جاتا ہے یہی اس واقعہ کی وجہ ہے جس کی توجیہہ درکار ہوتی ہے۔

دراصل ایک واقعہ کا دوسرے واقعہ سے تعلق قانون کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے، یعنی یہ قانون یا اصول بن سکتا ہے کہ آوارہ گردی کرنے والا طالب علم کامیاب نہیں ہو سکتا۔ دوسرے الفاظ میں اس کے برعکس محنت کرنے والا طالب علم کامیاب ہو سکتا ہے۔

کسی واقعہ کا دوسرے واقعہ سے تعلق پیدا کرنا یا قانونِ توجیہہ کے ذریعے واقعات کی توجیہہ کرنا حقیقتاً دو واقعات کا آپس میں باہمی تعلق یا تطبیق پیدا کرنا ہے۔ اس باہمی مطابقت کی بنا پر ان واقعات کو منظم یا مرتب کیا جاتا ہے اس لیے توجیہہ حقیقتاً تطبیق اور تنظیم (Harmonization & Systematization) ہوتی ہے۔ حالات و واقعات اور فکر و تدبر کو ترتیب دینا توجیہہ کا اہم عنصر ہے۔

توجیہہ کرتے ہوئے کچھ نیا اضافہ نہیں کیا جاتا بلکہ خفیہ، پنہاں، غیر مبہم اور غیر واضح وجوہات کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ وجوہات ان کے ہونے والے واقعات میں پائی جاتی ہیں۔ چھپی ہوئی وجوہات کو واضح کیا جانا ہی توجیہہ کہلاتا ہے۔ توجیہہ کے عمل میں ہمیشہ عقلی اور فکری انداز سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ اصل حقائق کیا ہیں؟ جو واقعہ رونما ہوا ہے اس کی بنیادیں کون کون سی ہیں؟ تاکہ آئندہ اس واقعہ کا تدارک یا سدِ باب کیا جا سکے اور اگر ضرورت یا اہمیت کے لحاظ سے ممکن ہو تو ان وجوہات اور بنیادوں کو اکٹھا کر کے پھر وہ واقعہ پیدا کیا جا سکے۔

توجیہہ کی ضرورت و اہمیت
(Need and Importance of Explanation)

توجیہہ حقیقت کے لحاظ سے نہایت ہی اہم اور لازمی عمل ہے۔ زندگی میں ترویج و ترقی کے لیے تفہیم بے حد ضروری ہے جو صرف اور صرف مسائل، اشیاء اور واقعات کی توجیہہ ہی سے ممکن ہوتی ہے اس لیے توجیہہ کی ضرورت و اہمیت کو درج ذیل نکات میں واضح کیا جا سکتا ہے۔

(1) علم مہیا کرنا (2) وجہ دریافت کرنا (3) وضاحت کرنا (4) حقائق معلوم کرنا

(5) قانون وضع کرنا (6) تنظیم پیدا کرنا (7) تطبیق پیدا کرنا (8) توہمات سے نجات

1۔ علم مہیا کرنا

توجیہہ کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کسی مبہم اور غیر واضح نظریہ، سوچ و فکر کو واضح کر کے اپنے علم میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ گویا توجیہہ علم مہیا کرتی ہے۔ توجیہہ کی ضرورت ہی اس وقت پڑتی ہے جب کوئی مسئلہ سمجھ نہ آ رہا ہو۔ غیر واضح نکات کی تفہیم توجیہہ ہی سے ممکن ہوتی ہے یہی تفہیم علم کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ توجیہہ سے ادراک پیدا ہوتا ہے اور ادراک ہی علم ہوتا ہے۔

2۔ وجہ دریافت کرنا

توجیہہ کا ایک اہم کام وجہ دریافت کرنا ہے یعنی کسی شے یا واقعہ کی حقیقت معلوم کرنا کہ اس کے ہونے کی وجہ کیا ہے؟ توجیہہ کی اہمیت یہ ہے کہ وہ راز جانا جائے جس میں اس شے کے ہونے کی بنیاد ہے۔ انسان جبلتِ تجسس کے تحت اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے تمام سوالات کے جواب تلاش کرنا چاہتا ہے۔ وہ وجوہات دریافت کرنا چاہتا ہے جن کی بنا پر کوئی شے بنی ہے یا وقوعہ ہوا ہے۔

3۔ وضاحت کرنا

توجیہہ کی اہمیت یہ بھی ہے کہ کسی مسئلے کو واضح کرنے کے لیے اس کی تشریح یا وضاحت کی جائے۔ توجیہہ سے کسی بھی موضوع کی تشریح کرنا مقصود ہوتی ہے۔ جب تک مشکل نکات یا مسائل کی وضاحت نہ کی جائے اس وقت تک ان کی سمجھ بوجھ نہیں ہو سکتی۔ توجیہہ ہی وہ عمل ہے جس سے کسی بھی زبان میں بیان کردہ فکر کو آسان اور عام فہم بنایا جاتا ہے۔ وضاحت کے لیے مختلف حوالے دیئے جاتے ہیں۔ کئی ایک مثالوں اور واقعات سے مشکل مسئلے کو آسان اور غیر واضح کو واضح کیا جاتا ہے۔ وضاحت کے معنی ہیں تفصیل بیان کرنا۔ موضوع کو کھول کر بتانا اور یہی عملِ توجیہہ کا بنیادی اور اہم مقصد ہے۔

کسی طالب علم کو تحقیق کے مراحل طے کرنے ہوں تو وہ بھی موضوعات، عنوانات اور تحقیق طلب مسئلے کی وضاحت کرتا ہے۔ وضاحت کرتے ہوئے نتائج اخذ کرتا ہے، یہی تحقیق کا مدعا یا مقصد ہوتا ہے۔

4۔ حقائق معلوم کرنا

تحقیق کا عمل حقائق معلوم کرنا ہے۔ حقائق سے مراد علمی اور فکری انداز سے مسائل کی تہہ تک پہنچنا ہے۔ توجیہہ ہی کے ذریعے ہم اس فلسفیانہ طریق کو اپنا کر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ فلسفے کا کام ہی زیرِ تحقیق مسئلے کی تہہ تک پہنچنا ہوتا ہے۔

یہ سائنسی طریقۂ کار ہے کہ بتدریج اور مرحلہ وار معلوم سے نا معلوم کی طرف جایا جائے۔ اسی کا نام حقائق معلوم کرنا ہے۔ توجیہہ کرتے ہوئے ہم رفتہ رفتہ سچائیوں تک پہنچ جاتے ہیں جو پہلے ہم سے خاصی دور ہوتی ہیں۔

حسی ادراک اور استدلال ہمیں توجیہہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ٹھوس یا مائع اشیاء کے سالمات(Molecules) معلوم کرنے ہوں، سردی و گرمی کا پتہ لگانا ہو۔ کسی کے اعمال کا صائب یا غیر صائب ہونا جاننا ہویا اشیاء کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے نیوٹران(Neutron)، الیکٹران(Electron) اور پروٹان(Proton) تک رسائی حاصل کرنا ہوسب سے مراد یہی ہے کہ متعلقہ مسئلے کے حقائق جاننا ہیں اور یہ صرف اور صرف توجیہہ کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔

5۔ قانون وضع کرنا

کسی واقعہ کی توجیہہ کسی دوسرے واقعہ کا سہارا لے کر کی جاتی ہے یا کوئی قانون اس میں مددگار ثابت ہوتا ہے مثلاً شدید گرمی میں شیشے کا گلاس ٹوٹ جاتا ہے تو اس کی توجیہہ اس قانون فطرت سے کی جا سکتی ہے کہ اجسام حرارت سے پھیلتے ہیں۔ کسی شے کے زمین کی طرف گرنے کی توجیہہ قانون کششِ ثقل سے ہوسکتی ہے ایسی توجیہات ایک واقعہ کی ایک قانون سے توجیہہ کی جاتی ہے۔ قانون کی توجیہہ بھی کسی دوسرے عمومی قانون کی مدد سے کی جاسکتی ہے۔ یہ واقعات یا قوانین کی توجیہہ کرنا دراصل ان کی باہمی مطابقت کو ظاہر کرنا اور ان کو منظم کرنا ہوتا ہے یا تعلق پیدا کر کے توجیہہ سے قوانین وضع کئے جاتے ہیں۔ قوانین دریافت کئے جاتے ہیں اور قوانین وضع یا لاگو کئے جاتے ہیں۔ گویا توجیہہ وہ عمل ہے جو قانون وضع کرتا ہے۔

6۔ تنظیم پیدا کرنا

ایک واقعہ کی توجیہہ کرتے ہوئے کسی دوسرے واقعہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ زلزلے کی وجہ آتش فشاں پہاڑ کا ہونا، کسی کاروبار میں ناکامی کی وجہ تجارت کے اصولوں سے ناواقفیت ہونا ہوتا ہے۔ توجیہہ میں کسی شے یا واقعہ کی علت یا وجہ معلوم کی جاتی ہے۔ دراصل توجیہہ کے عمل سے ہم دو واقعات میں تنظیم پیدا کرتے ہیں۔ متعلقہ واقعہ تلاش کرتے ہیں۔ صحیح وجہ معلوم کرتے ہیں یہی کام تنظیم پیدا کرنا ہے۔

7۔ تطبیق پیدا کرنا

توجیہہ کرنے سے مراد ہی یہ ہے کہ قانون سے قانون اور واقعہ سے واقعہ کا تعلق پیدا کیا جائے۔ توجیہہ سے دو واقعات کے درمیان باہمی تعلق، ربط تنظیم یا تطبیق پیدا کی جاتی ہے۔ وجہ یا علت معلوم کرتے ہوئے دراصل ہم کسی قریب ترین واقعہ کی تلاش میں ہوتے ہیں کہ اس شے یا واقعہ کی اس کے ہونے سے مطابقت پیدا کی جاتی ہے۔

8۔ توہمات سے نجات

انسان ہر لمحہ کسی نہ کسی مسئلے کے حل کی جستجو میں لگا رہتا ہے اور اگر اس کا انداز سائنسی ہو تو ہم کہتے ہیں کہ صحیح انداز سے ہونے کی وجہ یا علت معلوم کی جاتی ہے۔ ایسا کرنے کی اہمیت یہ ہے کہ انسان علمی اور فکری مراحل طے کرتا ہے۔ سوچنے کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو وہ تعصبات و توہمات سے نجات حاصل کرتا ہے۔ واہمات اور التباس سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔ یہ یقیناً توجیہہ ہی کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔ توجیہہ کرنا دراصل صحیح اور اصلی حقائق معلوم کرنا ہوتا ہے جس وجہ سے غلط اندازے، افواہوں

اور توہمات سے نجات ملتی ہے۔

ایک اچھے مفروضہ کی سائنسی اور غیر سائنسی خصوصیات
(Scientific and un-scientific charactristics of a good hypothesis)

مفروضہ (Hypothesis)

علمی و فکری میدان میں توجیہات پیش کرنا دراصل علت و معلول کا تعلق تلاش کرنا ہوتا ہے۔ واقعہ اور وجہ میں ربط معلوم کرنا ہوتا ہے۔ کسی بھی واقعہ کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ اتفاقی حادثہ کوئی نہیں ہوتا جس واقعہ کی ہم وجہ معلوم نہ کر سکیں اسے اپنی شکست کے طور پر اتفاقی حادثہ کہہ دیتے ہیں۔ کسی واقعہ کے ہونے کے بعد اس کے ہونے کی وجہ معلوم کرنے کے لیے کئی ایک مشکل فکری مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ سڑک پر ہونے والے ٹریفک حادثے کی وجہ تلاش کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ حادثات کے حقائق جاننے کے لیے چند ایک شواہد کی مدد سے وجہ فرض کی جاتی ہے۔ ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ ٹریفک حادثے کی وجہ کار والے کی غلطی ہے۔ اس نے بریک نہیں لگائی ہوگی جس موٹر سائیکل سے ٹکر ہوئی وہ اچانک کار کے آگے آ گیا ہوگا۔ سگنل کی خرابی، دھند، کم نظر آنا وغیرہ وغیرہ اس طرح کئی جملے یا قضیے اس حادثے کے بارے میں بنائے جائیں گے۔ ان قیاس آرائیوں سے ایسا کرتے ہوئے آخر کار اس حادثے کی اصل وجہ معلوم کر لیں گے۔ ایسا اندازہ جسے کسی واقعہ کی ممکن توجیہہ (Possible Explanation) کے طور پر فرض کر لیا جائے مفروضہ کہلاتا ہے۔ گویا مفروضہ ایک ایسا قیاس ہوتا ہے جسے ہم حقائق کی توجیہہ کے لیے وضع کرتے ہیں۔

کسی بھی واقعہ کے رونما ہونے کی وجہ معلوم کرنے کے لیے کئی ایک انداز ہیں قیاس اور قیافے وقتی و عارضی طور پر فرض کئے جاتے ہیں جن کا اس واقعہ سے قریبی تعلق ممکن ہو سکتا ہے۔ انہیں مفروضے کہتے ہیں جب کوئی بھی تفتیش یا تحقیق شروع کی جاتی ہے تو ابتدائی طور پر کچھ ایسے قیاس کئے جاتے ہیں جن میں بعض بعد میں غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر تمام کے تمام مفروضے قائم کئے جائیں تو ان میں سے ایک صحیح ضرور ہوگا جس کی بنا پر یہ واقعہ رونما ہوا تھا۔ لیکن اگر صحیح وجہ بیان کی جائے تو وہ ایک بھی کافی ہوتی ہے۔

بعض اوقات غیر سائنسی توجیہہ بھی متعلقہ اور عمومی محسوس ہوتی ہے مثلاً ریلوے انجن بند ہونے کی وجہ کوئی خفیہ قوتیں بیان کی جائیں کسی بیماری کے ہونے کی وجہ بدروح کہی جائے جو جسم پر حملہ آور ہوئی ہے۔ بعض اوقات عجیب و غریب توجیہات سے واسطہ پڑتا ہے۔ کئی سو سال یہ عقیدہ رہا ہے کہ نباتات میں ذہانت پائی جاتی ہے جس وجہ سے وہ حرکت کرتے ہیں اور اس حرکت پر قابو پاتے ہیں۔

اس طرح کی لاتعداد توجیہات مختلف واقعات کی پیش کی جاتی ہیں لیکن یہ غیر سائنسی اور غیر علمی ہوتی ہیں ایسی توجیہات میں استدلال نہیں پایا جاتا بلکہ بغیر کسی وجہ یا کسی مغالطے کی بنا پر لوگ یقین کر لیتے ہیں، کسی کام کے خراب ہونے کا سبب سیاہ بلی کا آگے سے گزرنا قرار دیا جاتا ہے۔ زلزلہ کی وجہ جنوں اور بھوتوں کی موجودگی بتائی جاتی ہے کسی درخت کے نیچے سایے کے منفی

اثرات کی وجہ نہ نظر آنے والی مخلوق بیان کی جاتی ہے۔ ایسی بے شمار توجیہات یقینی طور پر غیر سائنسی ہوتی ہیں کیونکہ ان واقعات کے ہونے کی حسی ادراک میں آنے والی قابل تصدیق کوئی وجہ نہیں ہوتی۔

اِروِنگ کوپی (Irving Copi) کے خیال میں سائنسی اور غیر سائنسی توجیہات میں دو فرق پائے جاتے ہیں پہلا فرق رویے (Attitude) کا ہے جو کوئی غیر سائنسی توجیہہ کو قبول کرتا ہے وہ نظریاتی فریب کا شکار ہوتا ہے۔ مثلاً یونانی فلسفی ارسطو (Aristotle) کو حقائق کے بارے میں مستند ہستی جانتے ہوئے کئی سو سال اس نقطۂ نظر کو غیر سائنسی طور پر مانا جاتا رہا ہے۔ خواہ اپنے طور پر ارسطو(Aristotle) کھلے ذہن کا مالک تھا لیکن قرون وسطیٰ (Middle Age) کے فلسفی اس کے تصورات کو بلاوجہ مانتے رہے ہیں۔ جدید دور کے سائنسدان گلیلیو گلیلی (Galileo Galilei) نے ایک مفکر کو نئے دریافت شدہ سیارہ مشتری (Jupiter) کا نظارہ کرنے کے لیے اپنی دور بین دی تو اس مفکر نے کہا کہ کوئی نیا سیارہ نہیں ہوسکتا کیونکہ ارسطو (Aristotle) نے اجرام فلکی سے متعلق اپنے رسالے میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ اِروِنگ کوپی(Irving Copi) کے خیال میں اسی طرح اپنے رویے سے ہم غیر سائنسی توجیہہ کو مان لیتے ہیں۔ جبکہ سائنس میں ہمارا رویہ بڑا مختلف ہوتا ہے۔ یعنی سائنسی، علمی وفکری بنیادوں پر کی گئی وضاحت یا توجیہہ صحیح مانی جاتی ہے ہر کوئی اس کو کسی خاص وجہ کی بنا پر قبول کرتا ہے۔

فرض کردہ سائنسی توجیہہ کو مفروضہ کہا جاتا ہے جو حقیقت تک پہنچنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ توجیہہ مفروضے کی انتہا اور مفروضہ توجیہہ کی ابتداء ہوتا ہے توجیہہ مفروضے کے بغیر بے بنیاد اور مفروضہ توجیہہ کے بغیر بے ثمر ہوتا ہے۔

سائنسی اور غیر سائنسی توجیہہ میں دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ ہم انہیں رد یا قبول کن بنیادوں پر کرتے ہیں؟ یعنی توجیہہ کا اقرار یا انکار کرنا۔ غیر سائنسی توجیہہ کو ہم کسی زبردست عوامی یا شخصی دباؤ کے تحت قبول کر لیتے ہیں ہم غیر سائنسی یقین میں سب کچھ اس کی شہادت کے طور پر بلاوجہ لے آتے ہیں جبکہ سائنسی توجیہہ میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ صحیح، مناسب، موزوں اور اچھی شہادت کی وجہ سے اچھے مفروضے کی خصوصیات، مفروضے کو صحیح مانتے ہیں۔

توجیہہ کے عمومی معنی یہ بھی لیے جاتے ہیں کہ کسی مسئلے کی وجہ بیان کی جائے اگر ایک ورکشاپ میں کام کرنے والا لڑکا ایک روز کافی دیر سے ورکشاپ پہنچے تو مالک ورکشاپ اسے دیر سے آنے کی وجہ معلوم کرے گا۔ لڑکا یہ جواب دے کہ میں بہت دور سے آتا ہوں وہاں سے صرف ایک ہی بس آتی ہے۔ آج اس بس کا حادثہ ہوگیا تھا مزید کوئی سواری نہیں تھی۔ بس کی مرمت ہونے میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف ہوا اس لیے میں ورکشاپ بروقت نہیں پہنچ سکا۔ دیر سے آنے کی وجہ سے تفصیل اگر قابل قبول ہو تو مزید کوئی سوال نہیں پوچھا جائے گا لیکن اگر دیر سے آنے کی صحیح اور معقول وجہ بیان نہ کی جا سکے تو کی گئی توجیہہ کے بارے میں اطمینان یا تسلی نہیں ہوتی۔

بعض واقعات کی توجیہہ ایسی ہوتی ہے کہ سننے والا مطمئن نہیں ہوتا۔ ایسی توجیہہ یا وضاحت اپنے اندر کوئی نہ کوئی خامی لیے ہوئے ہوتی ہے۔ لہٰذا کسی مسئلے واقعہ یا شے کی توجیہہ اگر قابل قبول، عام فہم، صحیح اور مروجہ اصولوں کے مطابق ہو تو اسے سائنسی (Scientific) یا علمی توجیہہ کہتے ہیں اور اگر توجیہہ یا وضاحت سطحی، ناقابل قبول، تفہیم سے عاری، عقلی استدلال کے

الٹ اور مروجہ اصولوں کے مطابق نہ ہو تو اسے غیر سائنسی (Un-Scientific) یا غیر علمی توجیہہ کہتے ہیں۔

اِرونگ کوپی (Irving Copi) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "تعارف منطق" (Introduction to Logic) میں علمی اور غیر علمی توجیہہ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ صحیح اور اچھی توجیہہ ہمیشہ واقعہ سے متعلق ہوتی ہے، اگر کہیں دیر سے پہنچنے کی وجوہات میں تسلسل یا ربط، نہ پایا جائے تو اس بات کا شک پایا جاتا ہے کہ یہ توجیہہ صحیح نہیں ہے بلکہ غیر سائنسی یا غیر علمی ہے۔

مفروضے کی خصوصیات

(Characteristics of Hypothesis)

اگر خصوصی طور پر جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سائنسی اور غیر سائنسی طور پر ایک اچھے مفروضے کی چند ایک درج ذیل خصوصیات ہیں۔

(1) حقائق پر مبنی ہو (2) خود تردیدی نہ ہو (3) مسلمہ اور ثابت شدہ حقیقت کے مطابق ہو (4) واضح ہو
(5) قابلِ تصدیق ہو (6) قابلِ فہم ہو (7) موضوع سے متعلق ہو (8) غیر ضروری نہ ہو
(9) سادہ ہو (10) تسلسل قائم ہو

1- حقائق پر مبنی ہو

اچھے مفروضے قائم کرنے کے لیے سائنسی اور غیر سائنسی بنیادوں پر توجیہات اور مثالوں کا سہارا لیا جاتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اچھا مفروضہ منتخب کرنے یا بنانے کے لیے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس کی بنیاد تصوراتی نہ ہو بلکہ حقائق پر مبنی ہو، کیونکہ مفروضے کی ابتداء اگر حقائق پر ہوگی تو اس کی تصدیق بھی حقائق کی روشنی میں کرنا ہوگی، لہٰذا مفروضے کی ابتدا اور انتہا حقائق پر ہی مبنی چاہیے۔ محض خیالی، تصوراتی اور توہمات پر مبنی مفروضے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کی بنیاد حقیقی واقعات پر ہونی چاہیے یعنی اصل اور حقیقی وجہ یا علت کی طرف اشارہ ہو نہ کہ بے بنیاد اور ہوا میں معلق مفروضہ ہو جو اپنے قدموں پر کھڑا ہی نہ ہو سکے اس پر مزید قیاس آرائی حقیقت تک نہیں لے جا سکتی۔

2- خود تردیدی نہ ہو

مفروضے میں کسی لحاظ سے بھی خود تردیدی نہ پائی جائے، یعنی الفاظ میں بیان کردہ جملے کے اندر ہی اس کی تردید موجود ہو تو وہ جملہ، قضیہ یا مفروضہ قائم ہونے سے قبل ہی ختم ہو گیا، مثلاً ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلم لائق بھی ہے اور نالائق بھی۔ ایک شخص جھوٹا بھی ہے اور قابل اعتبار بھی۔ پانی شدید گرم ہے اور اسی وقت وہی پانی شدید ٹھنڈا بھی ہے۔ یہ سب خود تردیدی مفروضے ہیں ایسے مفروضے گویا قائم ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔

3- مسلمہ اور ثابت شدہ حقیقت کے مطابق ہو

اچھا مفروضہ وہ ہے جو کسی بھی بنا پر کبھی بھی مسلمہ اور ثابت شدہ حقیقت کے خلاف نہ ہو۔ سورج روشنی اور گرمی کا منبع

ہے۔ لہٰذا یہ نہیں فرض کرنا چاہیے کہ سورج سے بارش برس رہی ہے۔ کششِ ثقل کے ثابت شدہ اصول کے خلاف یہ مفروضہ قائم نہیں کیا جا سکتا کہ گورنمنٹ کالج کی بلڈنگ اڑ کر آسمانوں میں غائب ہو گئی لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ مخالف اور اختلاف میں واضح فرق ہے۔ مخالف میں تضاد پایا جاتا ہے لیکن خیالات میں اختلاف پایا جانا یہ ثابت نہیں کرتا کہ مسلمہ حقیقت کی مخالفت کی جا رہی ہے ہو سکتا ہے کہ اختلاف وقتی، عارضی اور سوجھ بوجھ کا ہو اس لیے مفروضے کو فوری طور پر رد بھی نہیں کرنا چاہیے ہو سکتا ہے کہ ظاہری یا خفیف سا اختلاف ہو جو معمولی ترمیم سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ بادلوں کے بغیر قدرتی بارش کا ہونا مسلمہ اور ثابت شدہ حقیقت کے خلاف ہے۔

-4 واضح ہو

اچھا مفروضہ وہ ہے جو واضح ہو۔ توجیہہ سے بھی یہی مراد ہے کہ غیر واضح کو واضح کیا جائے۔ مبہم اور غیر واضح مفروضہ قابل غور نہیں ہو سکتا۔ وہ تفتیش اور تحقیق میں مددگار ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ پانی آنے سے سیلاب آ گیا ہے تو یہ واضح مفروضہ نہیں ہے بلکہ پانی کے آنے کا سبب معلوم کرنا، سیلاب کی وجہ بیان کرنا اچھا مفروضہ ہو گا۔ اچھا مفروضہ واضح طور پر بتائے گا کہ خرابی کیا ہے؟ مریض کا مرض جسمانی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ واضح مفروضہ نہیں ہے جسمانی خرابی کی اصل وجہ کیا ہے؟ وہ بیان کر کے واضح مفروضہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

-5 قابل تصدیق ہو

اچھا مفروضہ وہ ہے جو قابل تصدیق ہو جس کی آسانی یا معمولی تردد کے بعد تصدیق کی جا سکے۔ مفروضہ قابل تصدیق ہو گا تو اس کی مدد سے تحقیق کی جا سکتی ہے۔ جس مفروضے کی تصدیق ہی نہ ہو سکے وہ مفروضہ مکمل نہیں ہو سکتا یا یوں کہیے کہ تحقیق کنندہ کی پہنچ میں نہیں ہے تو وہ مفروضہ متعلقہ نہیں ہے اگر تصدیق ناممکن ہے تو وہ مفروضہ وقت اور حالات کے مطابق نہیں ہے مثلاً کوئی ایسا مفروضہ قائم کر لیا جائے جس کی تصدیق کے لیے بادلوں میں گھومنا پڑے اور پھر بھی تصدیق نہ ہو۔ سمندروں کی تہہ تک جایا جائے پھر بھی تصدیق نہ ہو تو ایسا نامکمل اور جاں گسل مفروضہ مناسب نہیں ہے۔ مفروضے کا درست یا غلط ثابت ہونا ضروری ہے۔ ورنہ وہ بے نتیجہ مفروضہ ہو گا۔ زمین بیل کے سینگوں پر قائم ہے۔ ایک ناقابلِ تصدیق مفروضہ ہے۔ کسی مفروضے کا غلط یا صحیح ہونا بہتر بات ہے لیکن اگر تصدیق ہی نہ ہو سکے تو اس سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی جانچ پڑتال ہی نہیں ہو سکتی اس کی تصدیق ہی ممکن نہیں تو دراصل یہ مفروضہ ہمیشہ کے لیے نامعلوم ہے۔ مفروضہ دراصل ایک ایسا قیاس ہوتا ہے جو بعد میں رد یا قبول کر لیا جاتا ہے۔ یہ عملِ تصدیق ہی سے ممکن ہوتا ہے۔ اس لیے مفروضہ قابلِ تصدیق ہونا چاہیے۔

-6 قابلِ فہم ہو

مفروضہ قابلِ فہم ہونا چاہیے۔ اگر مفروضہ کسی ایک زبان میں ہو جس کی تفہیم ہی ممکن نہ ہو تو وہ بھی لایعنی اور بے نتیجہ مفروضہ ہوتا ہے۔ مفروضے میں مشکل، پیچیدہ اور مبہم الفاظ و خیال اسے ناقابلِ فہم بنا دیتے ہیں لہٰذا ایسا مفروضہ بھی بے نتیجہ ثابت ہوتا ہے۔ مفروضہ اگر قابلِ فہم ہے تو وہ تفتیش اور تحقیق میں مددگار ثابت ہوتا ہے لیکن جس مفروضے کا مفہوم سمجھ نہ آ سکے اس سے

استفادہ کیا ہوگا۔

7- موضوع سے متعلق ہو

توجیہہ کرتے ہوئے مسئلے کی وضاحت کی جاتی ہے جو متعلقہ موضوع ہی کی ہوتی ہے اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اچھا مفروضہ قائم کرنے کے لیے اس بات کی احتیاط کی جائے کہ مفروضہ موضوع سے متعلق ہو، لیکن اگر ایسا ہو کہ سوال چنا اور جواب گندم تو غیر متعلقہ بات ہوگی۔ زیرِ تحقیق موضوع سے متعلق ہی مفروضہ قائم کیا جائے تو نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ بات پانی کی ہو اور مفروضہ آگ کے بارے میں قائم نہیں کرنا چاہیے۔ تاریخ پاکستان موضوع ہو تو بحرِ اوقیانوس کے بارے میں قائم کردہ مفروضہ غلط ہوگا۔ بالوں کی خشکی پر تحقیق کرنا مقصود ہو تو چاند سے حاصل کردہ پتھر کے بارے میں قائم کردہ مفروضہ مددگار ثابت نہ ہوگا۔

8- غیر ضروری نہ ہو

مفروضہ ضرورت کے تحت موضوع، وقت اور کام سے متعلق ہونا چاہیے۔ اگر دس مفروضے بنتے ہوں تو گیارواں مفروضہ گنتی بڑھانے کے لیے قائم کرنا غیر ضروری ہے۔ زبان، موضوع ،حالات، واقعات اور طریقۂ کار سے ہٹ کر قائم کردہ مفروضہ غیر ضروری ہوتا ہے۔ بے وقت اور بلاوجہ قائم کردہ مفروضہ بھی غیر ضروری ہوتا ہے لہٰذا مفروضہ ہمیشہ مثبت انداز میں ضروری ہونا چاہیے نہ کہ غیر ضروری۔ جہاں اسی موضوع پر گذشتہ تحقیق ختم ہوتی ہے، اس سے آگے بڑھا جائے، پھر ابتدا سے غیر ضروری کوشش کرنا غیر اہم ہے۔ ایسے مفروضے جو پہلے ناکام اور غیر اہم قرار دیئے جا چکے ہوں وہ بھی غیر ضروری ہوتے ہیں۔

9- سادہ ہو

مفروضہ اچھا وہ ہے جو سادہ ہو، مفرد ہو، نہ کہ مرکب اور پیچیدہ۔ سادہ مفروضہ ہمیشہ قابلِ فہم، قابلِ تصدیق اور حقائق پر مبنی ہوتا ہے لیکن مفروضہ اگر سادہ نہ ہو تو اس سے پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ تفہیم اور درجہ بندی میں مسائل پیدا ہوتے ہیں سادگی میں کم الفاظ اور آسان فکر ہوتا ہے، اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اچھا مفروضہ قائم کرنے کے لیے سادہ انداز اپنایا جائے۔

10- تسلسل قائم ہو

اہم بات یہ ہے کہ تحقیق کرتے وقت ہمیشہ تسلسل کا خیال رکھا جاتا ہے۔ تسلسل فکر اور علم کو آگے بڑھاتا ہے۔ توجیہہ پیش کرتے وقت بھی یہی اصول کارفرما ہوتا ہے۔ اچھے مفروضے کی شناخت یہ ہے کہ گذشتہ قائم کئے گئے مفروضوں میں تسلسل ہو۔ گذشتہ تحقیق کو آگے بڑھانے کے لیے بھی تسلسل ہی اہم طریقہ کار ہے۔ تسلسل سے مفروضے کی تصدیق، بائمل ہونا اور صحیح نتائج اخذ کرنا ممکن ہو جاتے ہیں کیونکہ تسلسل میں یکسانیت ترتیب اور تنظیم پائی جاتی ہے۔

مشقی سوالات

انشائی طرز (Subjective Types)

سوال1:۔ مختصراً جواب دیں:

i۔ توجیہہ کی تعریف کریں؟

ii۔ توجیہہ کس واقعہ سے قبل کی جاتی ہے؟

iii۔ ایک واقعہ کا دوسرے واقعہ سے تعلق کس قانون کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے؟

iv۔ توجیہہ میں تطبیق کا مفہوم کیا نکلتا ہے؟

v۔ تشریح اور توجیہہ میں کیا فرق ہے؟

vi۔ توجیہہ سے حقائق معلوم کئے جاتے ہیں۔کوئی مثال دیں؟

vii۔ مفروضہ سے کیا مراد ہے؟

viii۔ کوپی(Copi) کے خیال میں سائنسی اور غیر سائنسی توجیہات میں کون سے دو فرق پائے جاتے ہیں؟

ix۔ ''مفروضہ میں خود تردیدی نہ پائی جائے۔'' اِس سے کیا مراد ہے؟

x۔ ''اچھا مفروضہ وہ ہے جو قابلِ تصدیق ہو۔'' کوئی مثال دیں؟

سوال2: تفصیلاً جواب دیں:

i- توجیہہ سے کیا مراد ہے؟

ii- توجیہہ کی ضرورت اور اہمیت بیان کیجئے؟

iii- سائنسی اور غیر سائنسی توجیہہ کیا ہوتی ہے؟

iv- ایک اچھے مفروضے کی خصوصیات بیان کیجئے؟

معروضی طرز (Objective Type)

سوال3: ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں:

i۔ کسی شے، واقعہ یا پھر کسی بھی عمل کی وجہ کو کہا جاتا ہے۔

ا۔ توجیہہ ب۔ تفریح ج۔ تمثیل د۔ تحقیق

ii۔ مبہم اور غیر واضح کو جاننے کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔

ا۔ تنقیص کی ب۔ تشریح کی ج۔ تفریح د۔ تلخیص

iii۔ توجیہہ میں واقعہ یا شے کی بیان کی جاتی ہیں۔

ا۔ اصلاحات ب۔ تشریحات ج۔ وجوہات د۔ امکانات

iv۔ کسی واقعہ کے ہونے کا قانونی جواز تلاش کرنے کو کہتے ہیں۔

ا۔ علمی توجیہہ ب۔ تجربی توجیہہ ج۔ فکری توجیہہ د۔ قانونی توجیہہ

v۔ تعصبات و توہمات سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

ا۔ توجیہہ سے ب۔ اتفاق سے ج۔ تنقید سے د۔ مفروضے سے

vi۔ حسی ادراک اور استدلال توجیہہ کرنے میں دیتے ہیں۔

ا۔ ادراک ب۔ مدد ج۔ التباس د۔ وہم

vii۔ ایسا قیاس جس سے حقائق کی توجیہہ وضع کی جائے، کہلاتا ہے۔

ا۔ فقرے ب۔ سائنس ج۔ مفروضہ د۔ واقعہ

viii۔ ہر واقعہ کی کوئی نہ کوئی ضرور ہوتی ہے۔

ا۔ وجہ ب۔ صورت ج۔ ضرورت د۔ مفروضہ

ix۔ فرض کردہ سائنسی توجیہہ کو کہا جاتا ہے۔

ا۔ مفروضہ ب۔ قضیہ ج۔ قیاس د۔ گوشوارہ

x۔ مفروضے کی دیگر خصوصیات کے علاوہ یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ ہو۔

ا۔ قابلِ قطع ب۔ قابلِ تردید ج۔ قابلِ فہم د۔ قابلِ رحم

حل سوالات

باب1: منطق کی تعریف اور دائرہ کار

سوال3: ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں:

i- منطقی طریقۂ کار ii- تین iii- معیاری iv- جانچ پڑتال v- ارسطو vi- برٹرینڈرسل

vii- فلاسفی کی viii- دلیل ix- دو x- مقدمات xi- صوری xii- مادی xiii- خودتردیدی

xiv- حقائق سے xv- نتائج

باب2: زبان

سوال2: ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں:

i- ابلاغ کے ii- لفظ iii- آواز iv- زبان v- جسمانی اشارے vi- قدرتی نشانات

vii- الفاظ viii- اطلاعات ix- اظہار x- ہدایات

باب3: غیر رسمی مغالطے

سوال3: ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں:

i- التباس ii- مغالطہ iii- صحیح نتائج iv- غلطی v- مغالطہ vi- فن

vii- زوردار viii- مغالطوں کا ix- مغالطۂ ابہام x- رحم xi- شدت xii- نیت

xiii- مغالطۂ تاکید xiv- ادراک xv- شخصیت

باب4: مقولی قضیے

سوال3: ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں:

i- حقائق ii- حد iii- تصدیق iv- قضیہ v- عملِ تصدیق سے vi- انکار vii- تین

viii- موضوع ix- محمول x- نسبتِ حکمیہ xi- حال xii- کلیہ قضیے xiii- موجبہ قضیے

xiv- مثبت بھی xv- غلط

باب5: مقولی قیاس اور سادہ دلائل

سوال3: ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں:

i- نتیجہ ii- بلاواسطہ iii- بالواسطہ iv- حدود v- حدِ اصغر vi- حدِ اکبر

vii- حدِ اوسط viii- ضرب ix- ربط x- غیرجامع xi- منفی xii- جزوی نتیجہ

xiii- جامع xiv- وجودی مغالطہ xv- جزئیہ

باب6: منطقِ استقرائیہ

سوال3: ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں:

i- جزئیات کو ii- عمومی iii- تعمیم iv- دو v- علّتی رشتے کو vi- تجربی vii- استدلال پر
viii- مشابہت پر ix- تنظیم کو x- سائنسی

باب7: توجیہہ کا سائنسی طریقہ کار

سوال3: ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں:

i- توجیہہ ii- تشریح کی iii- وجوہات iv- قانونی توجیہہ v- توجیہہ سے vi- مدد
vii- مفروضہ viii- وجہ ix- قضیہ x- قابلِ فہم

اصطلاحات (Terminology)

منطق:	Logic
معیاری علوم :	tive Sciences Norma
اخلاقیات :	Ethics
جمالیات :	Aesthetics
قوانین :	Laws
صحیح فکر :	Valid Thought
صحتِ فکر :	Validity
فنِ استدلال:	Art of Reasoning
طبیعی سائنس:	Natural Science
علمیاتی تجربیت:	Epistemological Empiricism
مابعدالطبیعات:	Metaphysics
تنقیدِ عقلِ محض:	Critique of Pure Reason
اصولِ ریاضیات:	Principia of Mathematica
ریاضیاتی منطق:	Mathematical Logic
قرینِ قیاس/احتمال:	Probable
صورت:	Form
فنون کا فن:	Art of Arts
تصور:	Idea
تعقل:	Concept
حکم:	Judgement
صحیح استدلال:	Valid Reasoning
صرف و نحو:	Grammar
زبان:	Language
ریاضی کے بنیادی اصول:	Axioms
جدول:	Truth Tables
نشان:	Sign
علامت:	Symble
علم العلوم:	Science of Sciences

امکان:	Possible
قضیہ:	Proposition
دلیل:	Argument
مقدمہ:	Premise
نتیجہ:	Conclusion
مقدمہ کبریٰ:	Major Premise
دلیل کی اقسام:	Types of Arguments
صوری :	Formal
مادی :	Material
فکر :	Thought
صوری صحت :	Formal validity
مادی صحت :	Material Validity
منطقِ استخراجیہ:	Deductive Logic
منطقِ استقرائیہ:	Inductive Logic
سچے :	True
صحیح :	Valid
غیر صحیح :	Invalid
غلط :	False
سچائی :	Truth
مادی سچائی :	Material Truth
صوری سچائی :	Formal Truth
وقوعات :	Chances
استنتاج :	Inference
استدلال :	Reasoning
قیاس :	Syllogism
خود تردید :	Self Contradiction
معروضی طرز :	Objective Type
انشائی طرز :	Subjective Type

زبان بطور آلہ: Language as an Instrument

جسمانی زبان: Body Language

مروجہ نشانات: Conventional Signs

قدرتی نشانات: Natural Signs

فلسفیانہ تحقیقات: Philosophical Investigation

اطلاعاتی : Informative

اظہاراتی : Expressive

ہدایاتی : Directive

ابلاغیات : Communication

اطلاعاتی تکنیک: Information Technology

مغالطہ: Fallacy

سفسطہ/دانستہ: Sophism

فن مغالطہ: Art of Fallacy

دلیلِ جذبات: Poralogism

اپیل برائے طاقت: Appeal to Force

اپیل برائے ہیجان: Appeal to Emotion

اپیل برائے رحم: Appeal to Pity

لفظ ذومعنی: Equivocation

اچھا: Good

اچھائی: Goodness

نسبتی حد: Relative Term

ابہام: Amphibology

تاکید: Accent

مقولی: Categorical

حد: Term

تصدیق: Verification

جماعت: Class

موضوع: Subject

محمول: Predicate

نسبتِ حکمیہ: Copula

کمیت: Quantity

کیفیت: Quality

قضایا کی جامعیت: Distribution of Proposition

مفرد: Simple

مرکب: Compound

ترکیب: Composition

جزئیہ: Particular

کلیہ: Universal

موجبہ: Affirmative

منفی: Negative

شرطیہ: Hypothetical

منفصلہ: Disjunctive

ضروریہ: Necessary

حادثیہ: Assertory

احتمالیہ: Problematic

تحلیلی: Analytical

ترکیبی: Synthetic

معیاری اشکال: Standard Forms

روایتی مربع اختلافات قضایا: Triditional Squres of opposition of Proposition

فکر کے اصول: Laws of Thought

مربع نسبتی: Square of Relations

تضاد: Contraries

تضادِ تحتانی: Sub-contraries

تحکیم: Subalterns

تناقضین: Contradictories

اصول عینیت/شناخت: Law of Identity

اصول مانع اجتماع نقیضین: LawofNon-Contradiction

اصول خارج الاوسط: Law of Excluded Middle

مقولی قیاس: Categorical Syllogism

سادہ دلائل:	Simple Arguments
استنتاج بلاواسطہ:	Immediate Inference
استنتاج بالواسطہ:	Mediate Inference
حدِ صغریٰ:	Minor Term
حدِ کبریٰ:	Major Term
حدِ اوسط:	Middle Term
قیاس کی اشکال:	Figures of Syllogism
قیاس کے قواعد:	Rules of Syllogism
منطقی عمل:	Logical Process
وجودی مغالطہ:	Existential Fallacy
حاصلات:	Corollaries
متغیرات:	Variable
ثوابت:	Constants
انکار/نفی:	Negative
اشتراک:	Conjuction
اجتماع:	Disjunction
دلالت:	Implication
تعادل:	Equivalence
سچائی کے گوشوارے:	Truth tables
منفی/سالبہ قضیے:	Negative Propositons
استقرائی زقند/چھلانگ:	Inductive Jump
تعمیم:	Generalization
قانونِ علت:	Law of Causation
قانونِ یکسانیٔ فطرت:	Law of Uniformity of Nature
علمی تعمیم:	Scientific Generalization
تجریدی تعمیم:	Empirical Generalization
تمثیل:	Analogy
امکانیت:	Probability
استدلال تمثیل:	Emphirical Reasoning
مشابہ:	Resemblance
تنظیم:	Systematization
تطبیق:	Adjustment
قانونِ انعکاس:	Law of Reflection
قانونِ بقائے ذات:	Law of Preservation
توجیہہ:	Explanation
مفروضہ:	Hypothesis
ممکن توجیہہ:	Possible Explanation

کتابیات (Bibliography)

1- سی اے قادر — اخلاقیات — مرکزی اردو بورڈ، لاہور

2- قاضی قیصرالاسلام — فلسفہ کے بنیادی مسائل — نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

3- جاوید اقبال ندیم — شذراتِ فلسفہ — وکٹری بک بنک، لاہور

4- کرامت حسین جعفری — منطق استقرائیہ — ایم آر برادرز، اردو بازار، لاہور

5- کرامت حسین جعفری — منطق استخراجیہ — ایم آر برادرز، اردو بازار، لاہور

6- جاوید اقبال ندیم — مبادیاتِ فلسفہ — پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

1- I. M. Copi and C. Cohen — An Introduction to Logic

2- D. Kolly — The Art of Reasoning

3- S. Barker — Elements of Logic

4- R. L. Stebbing — Elements of Modern Logic

5- P. Suppes — Introduction to Logic

6- Cohen and Negel — Introduction to Logic and Scientific Methods

7- E. M. Adam — General Logic

8- Richard Whately D.D. — Elements of Logic

9- Karamat Hussain Jafri — Deductive logic

10- Karamat Hussain Jafri — Inductive logic

11- A. R. Lacey — Dictionary of Philosophy

12- John Hosper — An Introduction to Philosophical Analysis